ششماہی

علوم القرآن

ادارۂ علوم القرآن

ادارہ علوم القرآن

سے

تعاون کی مختلف صورتیں

۱۔ **معاونین خصوصی** ہندوستان سے مبلغ پانچ ہزار روپئے اور بیرون ہند سے سات سو امریکی ڈالر یا اس کے مساوی رقم دینے والے حضرات ادارہ کے سرپرست متصور ہوں گے۔ ادارہ ان کی خدمت میں اپنی تمام مطبوعات پیش کرتا رہے گا۔

۲۔ **معاونین تاحیات** ہندوستان سے مبلغ تین ہزار روپئے اور بیرون ہند سے پانچ سو امریکی ڈالر یا اس کے مساوی رقم دینے والے حضرات ادارہ کے تاحیات معاون ہوں گے۔ ادارہ ان کی خدمت میں اپنی تمام مطبوعات پیش کرتا رہے گا۔

۳۔ **معاونین مجلہ** ہندوستان سے مبلغ ایک ہزار روپئے اور بیرون ہند سے تین سو امریکی ڈالر یا اس کے مساوی رقم دینے والے حضرات ششماہی علوم القرآن کے معاون ہوں گے۔ ان کی خدمت میں مجلہ پیش کیا جاتا رہے گا۔

۴۔ **عام معاونین** اس کے علاوہ صاحب خیر حضرات جو بھی تعاون کریں گے ادارہ اس کے لیے شکرگزار ہوگا۔

چیک اور ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں۔ IDAR A-E 'ULOOM-UL-QUR'AN

ادارۂ علوم القرآن کا ترجمان

ششماہی علوم القرآن علی گڑھ

جلد ۱۱ ○ جنوری - دسمبر ۱۹۹۶ء - جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ - جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ ○ شمارہ ۱، ۲

ادارہ علوم القرآن

پوسٹ بکس نمبر ۹۹، سرسید نگر، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲

مقالہ نگاروں سے التماس :

SV02

۱۔ مقالہ قرآنیات سے متعلق اور غیر مطبوعہ ہونا چاہیئے۔

۲۔ مقالہ صاف، خوشخط اور صفحہ کے ایک طرف لکھا جائے۔

۳۔ مقالہ فل اسکیپ سائز کے بیس صفحات سے زیادہ نہ ہو۔

۴۔ حواشی و مراجع مقالہ کے آخر میں دیئے جائیں۔

۵۔ مآخذ کے حوالہ جات مکمل اور اس ترتیب سے ہوں۔ مصنف یا مؤلف کا نام، کتاب کا نام، مقام اشاعت، سنہ اشاعت، جلد یا جز اور صفحات۔

۶۔ بہتر ہوگا کہ مقالہ نگار حضرات اپنے مقالات کا انگریزی یا کم از کم اردو خلاصہ ضرور ارسال فرمائیں۔



زر تعاون

پانچ سال	تین سال	دو سال	ایک سال	ممالک
۱۳۰ روپے	۸۰ روپے	۵۵ روپے	۳۰ روپے	ہندوستان
۲۳۰ روپے	۱۴۰ روپے	۹۵ روپے	۵۰ روپے	پاکستان و بنگلہ دیش
۵۰ ڈالر	۳۰ ڈالر	۲۲ ڈالر	۱۲ امریکی ڈالر	دیگر ممالک

فی شمارہ ۱۵ روپے۔

خوشنویس: غیاث الدین

طابع و ناشر سلطان احمد اصلاحی نے جمال پرنٹنگ پریس دہلی سے
چھپوا کر ادارہ علوم القرآن، پوسٹ بکس ۹۹، سرسید نگر علی گڑھ سے
شائع کیا۔

محتویات

شرکاء کا تعارف

ڈاکٹر اشتیاق احمد ظلی

صدر ادارہ علوم القرآن وریڈر شعبۂ تاریخ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

مولانا امین احسن اصلاحی

صاحب "تدبر قرآن"

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی

ریڈر شعبہ اسلامیات، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

مولانا محمد مسعود عالم قاسمی

ناظم دینیات سنی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

ڈاکٹر عبیداللہ فہد فلاحی

شعبہ سیاسیات، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی

ریڈر شعبہ معاشیات، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

ڈاکٹر ظفرالاسلام اصلاحی

سکریٹری ادارہ علوم القرآن ولکچرر شعبہ اسلامیات، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی

لکچرر شعبہ عربی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ

فراہی سیمینار

اشتیاق احمد ظلی

انجمن طلبہ قدیم مدرسۃ الاصلاح نے ترجمان القرآن مولانا حمید الدین فراہیؒ کی حیات وافکار پر ایک سہ روزہ سیمینار کا اہتمام کیا تھا۔ یہ سیمینار ۸ - ۱۰ اکتوبر ۱۹۹۱ء کو مدرسۃ الاصلاح پر منعقد ہوا۔ اس کے انعقاد کو اب ایک اچھی خاصی مدت گذر چکی ہے لیکن اس سے وابستہ خوش گوار یادیں ابھی تک ویسے ہی تازہ ہیں، تین دنوں پر محیط مجالس علم ودانش کی عطر بیزیوں سے مشام جاں ہنوز معطر ہے اور اس کے علمی فیوض وبرکات کا سلسلہ برابر جاری ہے اور اب یہ توقع ہو چلی ہے کہ یہ تقریب سید فکر فراہی کے تعارف واشاعت کے باب میں ایک سنگ میل کی حیثیت اختیار کر جائے اور اس سلسلہ کے نامکمل کاموں کی تکمیل کی کچھ صورت پیدا ہو جائے۔ ان شاء اللہ

مدرسۃ الاصلاح کی وادی غیر ذی زرع میں برپا ہونے والی یہ سادہ سی تقریب اتنی یادگار، پُروقار، خوبصورت اور روح پرور بن جائے گی اس کا اندازہ تو شائد کسی کو بھی نہیں تھا۔ مدرسہ کی زندگی ناقابل یقین حد تک سادہ اور تکلفات سے عاری ہے اور پھر وہاں اس وسیع پیمانے پر اس نوع کی کسی تقریب کا یہ پہلا تجربہ تھا۔ وہاں کے حالات، بنیادی سہولیات کے فقدان اور وسائل کی کمی کو دیکھتے ہوئے منتظمین بجا طور پر سراسیمہ تھے کہ ان حالات میں ملک اور بیرون ملک سے آنے والے دانش وروں کے لیے مناسب بود وباش کا انتظام کیوں کر ہو سکے گا۔ لیکن جب وقت آیا تو منتظمین سیمینار، ذمہ داران ووابستگان مدرسہ اور ہمدردوں اور بہی خواہوں کی مخلصانہ مساعی اور انتھک کوششوں نے چند دنوں کے لیے اس ویرانے کے زمین وآسمان کو بدل کے رکھ دیا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کچھ دیر کے لیے اس سرزمین نے گل بوٹوں کا پیرہن زیب تن

کر لیا ہو۔ ذرے ذرے میں بلا کی رونق و جاذبیت سمٹ آئی اور سارا ماحول صبحِ امید کی طرح روشن و تابناک ہو گیا اور لطف یہ کہ یہ سب کچھ اتنی خاموشی سے اور غیر محسوس طور پر انجام پا رہا تھا کہ کسی بھاگ دوڑ اور افراتفری کا احساس نہ ہو۔ اس منظر نامہ کی ترتیب و تزئین میں سب سے اہم کردار مدرسۃ الاصلاح کے طلبہ و اساتذہ کا تھا جنہوں نے اس تقریب کو کامیاب بنانے کے لیے دن رات ایک کر دیا اور ان سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا فضل خاص شامل حال تھا جس نے اپنی کتاب کے ایک خادم کے نام پر ہونے والی اس تقریب کو اتنی کامیابی اور قبول عام سے نوازا اور اس کے انتظامات میں اتنی برکت عطا فرمائی۔ واقعہ یہ ہے کہ سادگی اور حسن سلیقہ کا ایسا امتزاج کم دیکھنے میں آتا ہے۔ یہ بات باعث اطمینان ہے کہ ہمارے مدارس میں ایسی صلاحیتیں رکھنے والے افراد موجود ہیں۔

اس سیمینار کی ایک خصوصیت یہ سامنے آئی کہ اس سے متعلق جتنی رپورٹیں اب تک شائع ہو چکی ہیں اتنی شاید ہی کسی سیمینار کے متعلق شائع ہوئی ہوں۔ تادمِ تحریر ملک اور بیرونِ ملک کے جرائد و مجلات میں ۲۵ رپورٹیں اس سیمینار کے مختلف پہلوؤں کے متعلق شائع ہو چکی ہیں۔ ان رپورٹوں میں سیمینار کی کارروائیوں کا مختلف جہات سے جائزہ لیا گیا ہے اور متفقہ طور پر اسے ایک کامیاب اور یادگار سیمینار قرار دیا گیا ہے۔ اب اتنی رپورٹوں کے بعد اس بات کی مزید ضرورت تو باقی نہیں رہ جاتی کہ یہاں سیمینار کی کارروائی کا کوئی باقاعدہ جائزہ لیا جائے۔ البتہ اس کے بعض نمایاں پہلوؤں کی طرف توجہ دلانے کا جواز غالباً ابھی باقی ہے خصوصاً اس لیے بھی کہ سیمینار کے بعد علوم القرآن کا شائع ہونے والا یہ پہلا شمارہ ہے۔

میرے خیال میں اس سیمینار کی سب سے اہم خصوصیت یہ تھی کہ اسے اصحابِ فکر و دانش کے کسی خاص دائرہ میں محدود کرنے کے بجائے شعوری طور پر اس بات کی کوشش کی گئی تھی کہ اس موقع پر مختلف خیالات و نظریات رکھنے والے اہلِ علم کو جمع کیا جائے اور ان کی تحقیقات سے استفادہ کیا جائے۔ چنانچہ مختلف نقطہائے نظر کے حامل دانش وروں نے اس سیمینار میں شرکت کی اور فکرِ فراہی کے مختلف پہلوؤں پر اظہارِ خیال کیا۔ اس کی وجہ سے سیمینار کی افادیت میں بہت اضافہ ہوا اور اس کی رنگا رنگی اور بوقلمونی میں چار چاند لگ گئے۔ اس لحاظ سے بلاشبہ یہ

ایک منفرد اجتماع تھا۔

اس سیمینار کی دوسری بڑی خصوصیت اس کی کارروائیوں کے دوران آزادی رائے کا احترام تھا۔ یہ سیمینار مدرسۃ الاصلاح میں ہو رہا تھا اور اس کا موضوع وہ شخصیت تھی جو اس ادارہ کی فکری مؤسس ہے اور جس نے اپنی عمر عزیز کے آخری دس سال سے زیادہ کا عرصہ اس کی تعمیر و ترقی اور اس کے اندر وہ مخصوص مزاج پیدا کرنے میں صرف کیا جو اس کی شناخت اور نشان امتیاز ہے۔ فطری طور پر وابستگان مدرسہ کو اس ذات گرامی سے بڑی عقیدت و محبت ہے لیکن ساتھ ہی یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہنی چاہئیے کہ اس مدرسہ کے نظام تعلیم و تعلم میں آزادی رائے کا بڑا احترام کیا گیا ہے اور وہاں کسی سے اختلاف رائے کو اس کے لیے جذبہ احترام میں کمی پر محمول نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ حدود کے اندر رہتے ہوئے اختلاف رای کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا جاتا ہے۔ اس صحتمندانہ علمی روایت کا بھرپور مظاہرہ اس سیمینار کے دوران ہوا۔ مقالات سیشن اور وقفہ سوالات کے دوران مولانا فراہی ؒ کے نظریات و خیالات پر جس طرح کھل کر تنقید کی گئی اس میں بعض اوقات حدود کا پاس بھی جاتا رہا لیکن سامعین نے جن کی غالب اکثریت وابستگان مدرسہ اور عقیدت مندان فراہی سے تعلق رکھتی تھی، یہ سب کچھ جس کشادہ جبینی سے سنا اور معروضیت اور آزادی رائے کا احترام جس انداز میں کیا وہ قابل تعریف بھی ہے اور قابل فخر بھی۔

اس سیمینار کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ مقالہ نگاران اور شرکاء سیمینار کے علاوہ بڑی تعداد میں شائقین اس کے جملہ پروگراموں میں موجود رہے اور کسی بھی مرحلہ میں اس میں نہ تو کوئی کمی آئی اور نہ ہی کسی اکتاہٹ کا کوئی مظاہرہ ہوا۔ ذوق و شوق کا عالم آخر تک ویسے ہی قائم رہا جیسا کہ افتتاحی اجلاس میں تھا۔ وسیع ہال میں بڑے پیمانے پر نشستوں کا انتظام کیا گیا تھا لیکن یہ بھی یکسر ناکافی ثابت ہوا اور کوئی بھی وقت ایسا نہ رہا ہو گا جب لوگ اچھی خاصی تعداد میں ہال کے مختلف حصوں میں کھڑے ہوئے نہ پائے گئے ہوں۔ سارے پروگرام اسی انہماک سے سنے گئے اور جب سیمینار اپنے اختتام کو پہونچا تو بجائے اس کے کہ لوگ تین دنوں کی مسلسل مصروفیت کے بعد سکون کا سانس لیتے عام طور پہ احساس رہا کہ ابھی تو جی سیر بھی نہ

نتیجہ میں فکر فراہی کا حلقۂ تعارف بڑھا ہے اور مولانا فراہیؒ کی علمی، فکری اور اصلاحی خدمات کے سلسلہ میں مزید واقفیت حاصل کرنے کی خواہش اور اس کے لیے کوشش میں واضح طور پر اضافہ ہوا ہے۔ اس کی دوسری برکت یہ سامنے آئی کہ حاملین فکر فراہی کے اندر مولانا کے علمی اور فکری ورثہ کو دنیا ء علم و دانش تک پہونچانے کے سلسلہ میں اپنی بنیادی ذمہ داری کا احساس بیدار ہو گیا ہے۔ اسی احساس کے تحت جہاں سیمینار کے لیے اور بہت سی تیاریاں کی گئیں وہیں مولانا کی ان کتابوں کی اشاعت کا بھی اہتمام کیا گیا جو ایک مدت سے نایاب ہیں اور اس طرح فراہیات کے میدان میں ایک بڑی ضرورت کی تکمیل کی صورت پیدا ہو گئی ہے۔ فکرِ فراہی کے سلسلہ میں مسئلہ یہ نہیں ہے کہ اہل علم کو اس سے دلچسپی نہیں ہے یا وہ اس کی افادیت کے قائل نہیں ہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ مولانا فراہی کا فکر اور ان کا تیار کردہ عظیم الشان قرآنی لٹریچر عام پڑھے لکھے لوگوں تک پہونچنے پہونچانے کا معاملہ تو الگ رہا بیشتر اہل علم کی دسترس سے بھی باہر ہے۔ جو کتابیں کبھی شائع ہوئی تھیں اب وہ نایاب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے انتقال کو نصف صدی سے زائد عرصہ گذر جانے کے بعد بھی نہ صرف یہ کہ ان کا فکر اپنی پوری توانائی اور حیات بخش امکانات کے ساتھ سامنے نہیں آسکا ہے بلکہ پوری صورت حال سامنے نہ ہونے کی وجہ سے بعض حلقوں میں ایسی ایسی غلط فہمیاں راہ پاگئی ہیں جنہیں دیکھ اور سن کر ع 'خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا کہیے'۔ اس تناظر میں مولانا کی کتابوں کی اشاعت کا فیصلہ ایک بروقت اور خوش آئند فیصلہ ہے۔

اس سلسلہ میں شائع ہونے والی پہلی کتاب حسب توقع مولانا کے تفسیری اجزاء کا مجموعہ تھا۔ جیسا کہ معلوم ہے مولانا کی تقریباً جملہ تصنیفات عربی زبان میں ہیں۔ دوسری بہت سی کتابوں کی طرح تفسیری اجزاء کو بھی مولانا امین احسن اصلاحی نے اردو میں منتقل کیا تھا۔ یہ دائرہ حمیدیہ سے مختلف اوقات میں الگ الگ شائع ہوتے رہے ہیں۔ اور اب ایک مدت سے نایاب ہیں۔ پاکستان میں یہ اجزاء 'مجموعہ تفاسیر فراہی' کے نام سے کئی بار شائع ہو چکے ہیں اور متداول ہیں۔ دائرہ حمیدیہ نے پہلی بار اسے ایک مجموعہ کی صورت میں 'تفسیر نظام القرآن' کے نام سے شائع کیا جو علمی حلقوں میں بہت مقبول ہوا۔ اسی طرح قرآن فہمی کے سلسلہ میں مولانا کی تین بنیادی کتابیں: دلائل النظام، التکمیل فی اصول التاویل اور اسالیب القرآن کو 'رسائل الامام الفراہی فی علوم القرآن'

ہوا تھا اور یہ جنت نگاہ اور فردوس گوش اپنے اختتام کو پہونچ گئی۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

ملک کے مختلف علمی مراکز سے بڑی تعداد میں دانش ور اس سیمینار کو رونق بخشنے کے لیے تشریف لائے تھے۔ بیرونِ ملک سے بھی کسی حد تک نمائندگی ہوگئی تھی۔ لیکن مولانا فراہی کے شاگرد رشید اور فکر فراہی کے شارح اور ترجمان مولانا امین احسن اصلاحی مدظلہ کی کمی اس موقع پر بہت شدت سے محسوس کی گئی۔ ان کے انتظار میں سبھی آنکھیں فرشِ راہ تھیں۔ گو یہ پہلے ہی سے معلوم ہوگیا تھا کہ وہ اس پروگرام میں شریک نہ ہو سکیں گے لیکن اس سے احساس محرومی کی شدت میں کوئی کمی نہیں آئی۔ اگر وہ آسکے ہوتے تو اس بزم علم و دانش کی رونق و افادیت دو چند ہوگئی ہوتی اور کتنے ہی مشتاقان دیدشاد کام و بامراد ہو گئے ہوتے۔

فراہی سیمینار کے انعقاد کا فیصلہ اور اس کی ابتدائی تیاریاں مولانا ابواللیث صاحب اصلاحی ندوی رح، صدر انجمن طلبہ قدیم مدرسۃ الاصلاح، کی زیر نگرانی انجام پائی تھیں لیکن اس میں ان کی شرکت مقدر نہ تھی اور وہ اس کے انعقاد سے پہلے ہی اپنے خالق سے جاملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ انجمن طلبہ قدیم کے اندر جو حرکت اور اقدامیت پیدا ہوئی جس کے نتیجہ میں اس سیمینار کا انعقاد ممکن ہو سکا، اس میں مولانا کی قیادت و رہنمائی کا بڑا دخل تھا۔ اس موقع پر مولانا کے ساتھ مولانا عبدالمجید صاحب ندوی رح، سابق صدر مدرس مدرسۃ الاصلاح، کی کمی کو بھی بہت محسوس کیا گیا جو چند ماہ قبل ایک حادثہ میں شہید ہوگئے تھے۔ اللہ تعالیٰ مرحومین کے درجات کو بلند فرمائے اور ان کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ آمین

اس سیمینار سے بجا طور پر یہ توقع کی گئی تھی کہ یہ فکر فراہی کے بہتر تعارف اور اس کی توسیع و اشاعت کے سلسلہ میں ایک قوی محرک ثابت ہوگا۔ اب سیمینار کے انعقاد کے اتنے دنوں بعد اور پوری صورت حال کو دیکھتے ہوئے بلا تردد یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اس کے

کے نام سے ایک مجموعہ کی شکل میں شائع کیا گیا۔ مولانا فراہی کے قرآنی فکر کو سمجھنے کے سلسلہ میں ان رسائل کی اہمیت سے اہل علم بخوبی واقف ہیں۔ اس موقع کی مناسبت سے ادارہ علوم القرآن نے دو اہم کتابیں شائع کیں۔ 'قرآنی مقالات'، ماہنامہ الاصلاح میں شائع ہونے والے منتخب قرآنی مضامین کا مجموعہ ہے اور 'کتابیات فراہی' مولانا فراہی کی شخصیت اور افکار کے بارے میں مستند کتابیاتی مواد فراہم کرتی ہے۔ فراہی شناسی کے سلسلہ میں اس کتاب کی اہمیت خود اس کے نام سے ظاہر ہے۔

یہ بات مزید اطمینان اور مسرت کی باعث ہے کہ اس سیمینار کی نسبت سے شروع ہونے والے علمی فیوض و برکات کا سلسلہ جاری ہے۔ چنانچہ اس وقت مولانا کی شہرۂ آفاق تصنیف 'الرای الصحیح فی من ہو الذبیح' طباعت کے آخری مراحل میں ہے۔ اس کے علاوہ 'جمہرۃ البلاغۃ' اور 'امعان فی اقسام القرآن' طباعت کے لیے تیاری کے مختلف مراحل میں ہیں۔ اور ان کی جلد اشاعت کی توقع ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ یہ سلسلہ جاری رہے گا اور مولانا کی وہ تمام کتابیں جو اس سے پہلے شائع ہو چکی ہیں اور اب دستیاب نہیں ہیں ان کے محقق ایڈیشن دوبارہ شائع کیے جائیں گے اور جو کتابیں ابھی تک شائع نہیں ہو سکی ہیں ضروری تحقیق و تدوین کے بعد ان کی اشاعت کا بھی جلد اہتمام کیا جائے گا یہ گراں قدر علمی سرمایہ ہے اور اسے اہل علم تک پہونچانا حاملین فکر فراہی کی ایک بڑی ذمہ داری ہے۔

مولانا کا دائرہ کار بہت وسیع تھا اور وہ بیک وقت بہت سے منصوبوں پر کام کرتے تھے۔ قرآنیات پر بنیادی لٹریچر فراہم کرنے کے علاوہ ان کے سامنے علوم اسلامی کی تطہیر اور تدوین جدید کا جو عظیم الشان نقشہ کار تھا اس کے پیش نظر یہی ایک قابل عمل صورت تھی۔ چنانچہ انہوں نے مکمل تصنیفات کے علاوہ بہت سے ناتمام مسودے اپنے پیچھے یادگار چھوڑے ہیں جن کی تفصیل 'علوم القرآن' کے گذشتہ شمارہ میں آچکی ہے۔ ان میں سے متعدد بے حد اہم مباحث سے تعلق رکھتے ہیں۔ ضرورت تو دراصل اس بات کی ہے کہ مولانا کے فراہم کردہ خطوط کی روشنی میں ان مباحث کی تکمیل کی جائے اور پھر انہیں شائع کیا جائے۔ لیکن اگر سردست یہ ممکن نہ ہو تو کم از کم آئندہ نسلوں کے لیے اس علمی خزانے کی حفاظت کی کوئی صورت ضرور ہونی چاہیے۔ ہوسکتا ہے کہ آج نہیں تو کل ع مردے از غیب بروں آید و کارے بکند۔

۳۰ر جون ۱۹۹۲ء

ششماہی علوم القرآن، علی گڑھ ۶/ ۱و۲، جنوری۔ دسمبر ۱۹۹۱ء

ختمِ قلوب کی حقیقت

امین احسن اصلاحی

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى	اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے
سَمْعِهِمْ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ	کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی
غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ	آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لیے
(بقرہ : ۷)	عذاب عظیم ہے۔

خَتَمَ اللّٰهُ: ختم کے معنی عربی زبان میں موم یا مٹی یا کسی اسی طرح کی چیز پر ٹھپہ لگانے کے ہیں۔ یہیں سے یہ لفظ خط پر مہر لگانے اور کسی چیز کے منہ کو اس طرح بند کر دینے کے لیے استعمال ہونے لگا جس کے بعد نہ اس میں کوئی چیز داخل ہو سکے اور نہ کوئی چیز اس سے نکل سکے۔

قرآن مجید میں بعض جگہ جب اللہ تعالیٰ کسی فعل کو اپنی طرف منسوب فرماتا ہے تو اس سے مقصود نفس اس فعل کو اپنی طرف منسوب کرنا نہیں ہوتا بلکہ اس قانون یا اس سنت کو اپنی طرف منسوب کرنا ہوتا ہے جس قانون اور سنت کے تحت وہ فعل ظہور میں آتا ہے چونکہ یہ قانون خود اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ ہوتا ہے اس وجہ سے وہ فعل جو اس قانون کے تحت ظہور میں آتا ہے بعض اوقات قانون کے بنانے والے کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے تعبیر مطلب کا یہ اسلوب کم و بیش ہر زبان میں پایا جاتا ہے عربی زبان اور قرآن مجید میں بھی اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں ایسی اسلوب کے مطابق یہاں دلوں پر مہر لگانے کے فعل کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے لیکن مقصود اس سے اس سنت اللہ کی اپنی طرف نسبت ہے جو اس نے ہدایت و ضلالت کے لیے جاری کر رکھی ہے اور جس کے تحت دلوں پر مہر کرنے کا یہ فعل واقع ہوتا ہے۔

یہاں جس ختم قلوب کا ذکر ہے اس کے بارے میں دو باتیں اچھی طرح سمجھ لینی چاہئیں۔ ایک یہ کہ اس ختم سے مراد ختم ظاہری نہیں ہے بلکہ ختم معنوی مراد ہے۔ جہاں تک ظاہری

چیزوں کے دیکھنے، سننے اور سمجھنے کا تعلق ہے یہ لوگ ان کو دیکھتے، سنتے اور سمجھتے تھے لیکن اس مشرب کے لوگ اپنی سمجھ بوجھ کی تمام قوتیں اور صلاحیتیں دنیا کے ظواہر و محسوسات ہی تک محدود رکھتے ہیں، ان ظواہر و محسوسات کے پس پردہ جو حقائق ہیں ان کی طرف نہ تو یہ خود متوجہ ہوتے ہیں اور نہ کسی دوسرے توجہ دلانے والے کی بات پر کان ہی دھرتے ہیں۔ دنیا اور زخارفِ دنیا میں ان کا انہماک اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ کسی اور چیز کی طرف توجہ کرنے کی ان کے اندر گنجائش ہی باقی نہیں رہ جاتی۔ یہ اپنی ذہانت و فطانت اسی ایک مقصد پر صرف کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آسمان و زمین کا طول و عرض ناپنے میں تو ان کی عقل بڑی تیز ہو جاتی ہے لیکن روحانی اقدار و حقائق کے معاملہ میں وہ بالکل ہی کند ہوتی ہے۔ یہ صورتِ حال ان کے مذاق کو بھی اس قدر بگاڑ دیتی ہے کہ صرف وہی باتیں ان کو اچھی لگتی ہیں جن سے ان کے اس بگڑے ہوئے مذاق کو غذا ملے۔ جن باتوں سے اس کی حوصلہ شکنی ہو، خواہ وہ کتنی ہی معقول ہوں، ان سے ان کی طبیعت کو وحشت ہوتی ہے۔ اسی صورتِ حال کو یہاں ختم قلوب کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔

دوسری یہ کہ اس ختم قلوب سے یہ مراد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو ان کی ماؤں کے پیٹوں ہی سے ان کے دلوں پر ٹھپے لگا کر پیدا کیا ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے اپنی بداعمالیوں سے اپنے آپ کو اس قدر بگاڑ لیا ہے کہ ان کے دل پیغمبرؐ کی بات سننے اور سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہو گئے۔

جہاں تک اللہ تعالیٰ کا تعلق ہے اس نے ہر انسان کو اچھی صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا ہے، اس کو نیکی و بدی کا امتیاز بخشا ہے اور ساتھ ہی نیکی کو پسند کرنے اور بدی سے نفرت کرنے کا مذاق بھی اس کے اندر ودیعت کیا ہے۔ ان فطری صلاحیتوں سے آراستہ کرنے کے بعد اس نے انسان کو آزاد چھوڑا ہے کہ چاہے وہ نیکی کا راستہ اختیار کرے چاہے بدی کا۔ آگے چل کر یہی اختیاری نیکی یا بدی ہے جو اس کی فطری صلاحیتوں کے بنانے یا بگاڑنے میں اصلی دخل رکھتی ہے۔ اگر انسان نیکی اور بھلائی کی راہ اختیار کرتا ہے تو اس سے اس کی فطری صلاحیتیں پروان چڑھتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو نیکی کی راہ میں ترقی کی توفیق ملتی ہے۔ اور اگر وہ خواہشاتِ نفس کے پیچھے لگ کے بدی کے راستے پر چل پڑتا ہے تو پھر آہستہ آہستہ اس کا

دل برائی کا رنگ پکڑنا شروع کرتا ہے یہاں تک کہ یہ رنگ اس پر اس قدر غالب ہو جاتا ہے کہ پھر اس کے اندر نیکی کی کوئی رمق باقی ہی نہیں رہ جاتی۔ یہی مقام ہے جہاں پہنچ کر اللہ تعالیٰ کے قانون کے تحت آدمی کے دل پر مہر لگ جاتی ہے اور اس کا مذاق طبیعت اس قدر بگڑ جاتا ہے کہ اس کی ساری دلچسپی صرف بدی ہی کے کاموں سے باقی رہ جاتی ہے۔ نیکی کے کام کرنا تو الگ رہا نیکی کی باتیں سننے سے بھی اس کو وحشت ہوتی ہے۔

چناں چہ قرآن مجید میں یہ بات بار بار بیان ہوئی ہے کہ آدمی کے دل پر یہ مہر اس کے گناہوں کی پاداش میں لگتی ہے۔ چند آیات ملاحظہ ہوں:

أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ أَهْلِهَا أَنْ لَوْ نَشَاءُ أَصَبْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ وَنَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ۝ (اعراف: ۱۰۰)	کیا ان لوگوں کو جو اگلوں کے بعد اس زمین کے وارث ہوئے اس بات سے کوئی سبق حاصل نہیں ہوتا کہ اگر ہم چاہتے تو ان کے گناہوں کی پاداش میں ان پر بھی آفت لاتے اور ان کے دلوں پر مہر کر دیتے پس وہ سننے سمجھنے سے رہ جاتے۔

اس آیت میں اس بات کی صاف تصریح ہے کہ دلوں پر مہر گناہوں کی سزا کے طور پر لگتی ہے۔ دوسری جگہ فرمایا ہے:

وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا مِنْ قَبْلُ ۚ كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْكَافِرِينَ ۝ وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِمْ مِنْ عَهْدٍ ۖ وَإِنْ وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ ۝ (اعراف: ۱۰۱-۱۰۲)	اور ان کے پاس ان کے رسول کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے لیکن یہ لوگ ایمان لانے والے نہ بنے کیوں کہ یہ پہلے سے جھٹلاتے رہے تھے۔ اسی طرح اللہ کافروں کے دلوں پر مہر کر دیا کرتا ہے۔ ہم نے ان میں سے اکثر کے اندر عہد کی پابندی نہیں پائی (بلکہ) ہم نے ان میں سے اکثر کو بدعہد اور نافرمان پایا۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے عہد اور اس کے احکام کی خلاف ورزی میں یہ پہلے سے مشاق تھے۔ اس وجہ سے جب ان کے رسول بھی ان کے پاس اللہ کی آیات اور اس کی نشانیاں لے کر آئے تو انھوں نے ان کی بھی کوئی پروا نہ کی۔ جو لوگ حق کی تکذیب میں اس طرح دیدہ دلیر اور ڈھیٹ ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر کر دیا کرتا ہے جس سے ان کی عقل بالکل ہی ماری جاتی ہے۔

اس سے زیادہ وضاحت و تصریح کے ساتھ یہود کے بارے میں فرمایا ہے:

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ	پس بوجہ اس کے کہ انھوں نے عہد کو توڑا،
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ	اللہ کی آیات کا انکار کیا، انبیاء کو ناحق
حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ	قتل کیا اور کہا کہ ہمارے دل تو بند ہیں بلکہ
طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا	اللہ نے ان کے دلوں پر ان کے کفر کے
يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا	سبب سے مہر کر دی ہے تو وہ ایمان نہیں
(النساء : ۱۵۵)	لائیں گے مگر بہت کم۔

مذکورہ بالا آیات سے ایک تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی ماں کے پیٹ سے اس کے دل پر مہر کر کے نہیں بھیجتا بلکہ یہ مہر جس کے دل پر بھی لگتی ہے اس کے گناہوں کے قدرتی نتیجہ کے طور پر لگتی ہے۔

دوسری حقیقت یہ واضح ہوتی ہے کہ ہر درجہ کا گناہ وہ چیز نہیں ہے جس کے نتیجہ میں کسی کے دل پر مہر لگ جایا کرے، بلکہ کوئی فرد یا کوئی گروہ جب حق کو حق سمجھتے ہوئے، اپنے دل کی گواہی کے بالکل خلاف محض ضد، نفسانیت اور ہٹ دھرمی کے سبب سے اس کی مخالفت کرتا ہے اور اس مخالفت پر جم جاتا ہے تب اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اس کے دل پر مہر لگ جاتی ہے اور وہ صحیح طور پر سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہو جایا کرتا ہے۔

تیسری حقیقت یہ واضح ہوتی ہے کہ دل کا اس طرح مہر بند ہو جانا اور سمع و بصر کی صلاحیتوں سے اس طرح محروم ہو جانا اللہ تعالیٰ کا ایک عذاب ہے جو اس کی نعمتوں کی ناشکری کی پاداش میں کسی فرد یا گروہ پر اس دنیا میں نازل ہوتا ہے اور اسی عذاب کا فطری نتیجہ وہ عذاب عظیم ہے جس میں اس طرح کے لوگ اس زندگی کے بعد والی زندگی میں مبتلا ہوں گے۔ چنانچہ زیر بحث

آیت کے آخر میں یہ جو فرمایا ہے کہ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے) وہ درحقیقت اسی ختم قلوب کے اس قدرتی نتیجہ کا بیان ہے جو آخرت میں ظاہر ہوگا۔

ختم قلوب کی جو حقیقت ہم نے بیان کی ہے اس کی وہی حقیقت احادیث سے بھی واضح ہوتی ہے۔ ہم طوالت سے بچنے کے لیے صرف ایک حدیث پر یہاں اکتفا کرتے ہیں۔

ان المومن اذا اذنب کانت نکتة سوداء فی قلبه فان تاب ونزع واستعتب صقل قلبه وان زادت حتی تعلو قلبه فذلك الران الذی قال الله تعالیٰ کلا بل ران علی قلوبهم ما کانوا یکسبون۔[1]

مومن جب کوئی گناہ کر بیٹھتا ہے تو اس کے سبب سے اس کے دل پر ایک سیاہ دھبہ پڑ جاتا ہے۔ پھر اگر وہ توبہ کر لیتا ہے، اس گناہ سے باز آ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لیتا ہے تو اس کے دل کا وہ دھبہ صاف ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس کے گناہوں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ ان کی سیاہی اس کے پورے دل پر چھا جاتی ہے تو یہی وہ رَین ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کلا بل ران علی قلوبهم ما کانوا یکسبون (ہرگز نہیں! بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال کی سیاہی چھا گئی ہے)

سلف صالحین کے نزدیک بھی ختم قلوب کی یہی حقیقت ہے۔ ابن کثیر نے اعمش کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اعمش کہتے ہیں کہ مجاہد نے ایک مرتبہ ہمیں سمجھایا کہ سلف (صحابہؓ) دل کو اس ہتھیلی کے مانند سمجھتے تھے جب آدمی کسی گناہ میں آلودہ ہوتا ہے تو (انھوں نے اپنی انگلی سکیڑتے ہوئے سمجھایا) دل اس طرح سکڑ جاتا ہے۔ پھر جب مزید گناہ کرتا ہے تو (دوسری انگلی کو سکیڑتے ہوئے بتایا) دل اس طرح بھنچ جاتا ہے اسی طرح تیسری انگلی کو سکیڑا۔ یہاں تک کہ یکے بعد دیگرے تمام انگلیوں کو سکیڑ لیا۔ پھر فرمایا کہ جب دل گناہوں کے غلبہ سے اس طرح بھنچ جاتا ہے تو اس

پر مہر کر دی جاتی ہے۔ مجاہد نے بتایا کہ سلف (صحابہؓ) اسی چیز کو دہ رین قرار دیتے تھے جس کا ذکر کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ الآیۃ میں آیا ہے۔

ختم قلوب کی اصل حقیقت واضح ہو جانے کے بعد ہمیں جبر و اختیار کی اس بحث میں پڑنے کی ضرورت باقی نہیں رہی جو اشاعرہ اور معتزلہ کے درمیان برپا ہے اور جس میں یہ حضرات بے ضرورت اس آیت کو بھی گھسیٹ لے گئے ہیں۔ قرآن مجید نہ تو اس جبر ہی کے حق میں ہے جس کے مدعی اشاعرہ ہیں اور نہ اس اختیار ہی کے حق میں ہے جس کے علم بردار معتزلہ ہیں بلکہ حق ان دونوں کے درمیان ہے لیکن یہ مقام اس مسئلہ کی تفصیلات کے لیے موزوں نہیں ہے۔ ہم صرف چند اصولی باتیں یہاں بیان کیے دیتے ہیں جو ان لوگوں کے لیے ان شاء اللہ کفایت کریں گی جو اس مسئلہ پر ہر قسم کے تعصب سے بالاتر ہو کر صرف علمی ذہن کے ساتھ غور کریں گے۔ یہ اصولی باتیں مندرجہ ذیل ہیں:-

۱۔ مبداء فطرت سے اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو اچھی فطرت پر پیدا کیا ہے، اس کو نیکی و بدی کا امتیاز بخشا ہے اور ان میں سے جس کو بھی وہ اختیار کرنا چاہے اس کو اختیار کرنے کی اس کو آزادی ہے۔ اس کے بعد اس کا نیک یا بد بننا اس کے اپنے رویہ اور توفیق الٰہی پر منحصر ہے اگر وہ نیکی کی راہ اختیار کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو نیکی کی توفیق بخشتا ہے اور اگر وہ بدی کی راہ پر جانا چاہتا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ، اگر چاہتا ہے، بدی کی راہ پر جانے کے لیے بھی چھوڑ دیتا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ جن چیزوں پر انسان کا مواخذہ کرے گا یا جن پر اس کو اجر دے گا ان کے لیے اس نے انسان کو اختیار و ارادہ کی آزادی بھی بخشی ہے۔ جو لوگ اس اختیار و ارادہ کے حامل نہیں ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو مواخذہ سے بھی بری رکھا ہے۔ یہ اختیار و ارادہ انسان کا ذاتی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کا عطا کردہ ہے اور اس کا استعمال بھی انسان اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی کے تحت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مشیت اور حکمت کے تحت انسان کے جس ارادہ کو چاہے پورا نہ ہونے دے البتہ اگر وہ اپنی کسی حکمت کے تحت اس کے کسی نیکی کے ارادہ کو پورا نہیں ہونے دیتا تو اس نیکی کے اجر سے اس کو محروم نہیں کرتا۔ اسی طرح اگر اس کے کسی بدی کی اسکیم کو پایۂ تکمیل

تک پہنچنے نہیں دیتا تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ اس کے اخروی خمیازہ سے بھی لازماً اس کو بری قرار دے دے۔

۳۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں اللہ تعالیٰ کی مطلق مشیت کا بیان ہوا ہے اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ اس کی مشیت کو اس کے سوا کوئی دوسرا روک یا بدل نہیں سکتا۔ یہ معنی نہیں ہیں کہ اس کی مشیت سرے سے کسی عدل و حکمت کی پابند ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ عادل اور حکیم ہے، اس کا کوئی کام بھی عدل اور حکمت سے خالی نہیں ہوتا اس وجہ سے جہاں کہیں بھی اس نے اپنی مشیت کو بیان فرمایا ہے اس کو اس قانونِ عدل و حکمت ہی کے تحت سمجھنا چاہئے جس کے تحت اس نے اس دنیا کے نظم کو چلانا پسند فرمایا ہے۔ یہ خیال کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے کہ اپنی جو سنت اس نے خود جاری کی ہے اور جس قانونِ عدل کو اس نے خود پسند فرمایا ہے اپنی مشیت کے زور سے خود ہی اس کو توڑے گا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا ہے کہ وہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اس پر ہدایت و ضلالت کے لیے اس نے عدل و حکمت کا کوئی ضابطہ سرے سے مقرر ہی نہیں کیا ہے، بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ ہدایت و ضلالت اس سنت کے مطابق واقع ہوتی ہے جو اس نے ہدایت و ضلالت کے لیے مقرر کر رکھی ہے اور کوئی دوسرا اس سنت کے توڑنے یا بدلنے پر قادر نہیں ہے۔

۴۔ قرآن مجید میں بعض افعال اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمائے ہیں لیکن ان سے اصل مقصود، جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے، ان افعال کی نسبت نہیں ہے بلکہ ان ضابطوں اور ان قوانین کی نسبت ہے جن کے تحت وہ افعال واقع ہوتے ہیں چونکہ وہ ضابطے اور قاعدے خود اللہ تعالیٰ ہی کے ٹھہرائے ہوئے ہیں اس وجہ سے کہیں کہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے تحت واقع ہونے والے افعال کو بھی اپنی طرف منسوب کر دیا ہے۔ مثلاً فرمایا ہے فلما زاغوا ازاغ اللہ قلوبھم (جب وہ کج ہو گئے تو اللہ نے ان کے دل کج کر دیے) یا فرمایا ہے ونقلب افئدتھم وابصارھم (اور ہم ان کے دل اور ان کی آنکھیں الٹ دیتے ہیں) اس طرح کے مواقع پر عموماً قرآن مجید میں وہ اصول بھی بیان کر دیا جاتا ہے جس کے تحت وہ فعل واقع ہوتا ہے۔ مثلاً اس طرح کی کوئی بات کہہ دی

جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نہیں گمراہ کرتا مگر فاسقوں کو۔ ان اشارات کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ قاری اصل حقیقت کی طرف متوجہ ہو جائے اور ظاہر الفاظ سے کسی مغالطے میں نہ پڑ جائے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کا ازلی و ابدی اور محیط کل علم، اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی سنتوں میں سے کسی سنت کی نفی نہیں کرتا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ وہ ہر شخص کے متعلق ازل سے یہ جانتا ہے کہ وہ ہدایت کی راہ اختیار کرے گا یا ضلالت کی لیکن اسی کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ وہ ہدایت یا ضلالت کو اسی سنت اللہ کے مطابق اختیار کرے گا جو ہدایت و ضلالت کے لیے اس نے مقرر کر رکھی ہے۔

ان اصولی باتوں کو جو شخص پیش نظر رکھے گا وہ انشاء اللہ ان بہت سی الجھنوں سے آپ سے آپ نکل جائے گا جو جبر و اختیار کے معاملہ میں قرآن مجید کی پیدا کردہ نہیں بلکہ متکلمین کی موشگافیوں کی پیدا کردہ ہیں۔

(تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور ۱/ ۱۱۰-۱۱۵)

حوالے

۱؎ تفسیر ابن کثیر، ۱/ ۶۰۴ بحوالہ ترمذی، نسائی و ابن ماجہ۔ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۰ھ ۱۹۸۰ء

ششماہی علوم القرآن، علی گڑھ، شمارہ ۲، جنوری - دسمبر ۱۹۹۱ء۔

ازواج مطہرات کی تفسیری روایات

ایک تجزیاتی مطالعہ

محمد یسین مظہر صدیقی

(۲)

امام بخاری، امام احمد اور امام ترمذی تینوں نے سورۂ الفرقان کی تفسیر میں حضرت عائشہ یا کسی اور زوجہ مطہرہ سے کوئی روایت نقل نہیں کی ہے۔ اول الذکر دونوں ائمہ کرام کے ہاں سورۂ الشعراء میں بھی ان سے کوئی روایت نہیں لی گئی ہے مگر موخر الذکر نے سورۂ شعراء کی آیت کریمہ ۲۱۴: (انذر عشیرتك الاقربین) کی تفسیر میں حضرت عائشہ سے ایک حدیث نقل کی ہے۔ ام المومنین کا بیان ہے کہ جب یہ آیت کریمہ اتری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے صفیہ بنت عبد المطلب! اے فاطمہ بنت محمد! اے بنو عبد المطلب! میں اللہ سے تمہارے لیے کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ البتہ تم مجھ سے میرے مال میں سے جو چاہو مانگ لو۔ (سلونی من مالی ما شئتم)۔ امام موصوف نے اس کو حدیث حسن صحیح قرار دیتے ہوئے اس کی اور کئی سندوں کا ذکر کیا ہے[۳۶]

اس کے بعد امام بخاری، امام احمد اور امام ترمذی تینوں نے سورۂ احزاب کی تفسیر تک تمام سورتوں میں کسی بھی ام المومنین سے کوئی روایت نہیں لی ہے۔ چنانچہ سورۂ نمل، سورۂ قصص، سورۂ عنکبوت، سورۂ روم، سورۂ لقمان اور سورۂ سجدہ/تنزیل سجدہ ان کی مرویات سے خالی ہیں۔ امام بخاری کے ہاں سورۂ احزاب کی جس پہلی آیت کی تفسیر حضرت عائشہ سے مروی ہے وہ آیت تخییر ہے یعنی آیت کریمہ ۲۸: قل لازواجك ان کنتن تردن الحیوۃ الدنیا الخ۔ حضرت ابو سلمہ بن عبد الرحمن کے حوالہ سے امام زہری نے یہ روایت بیان کی ہے کہ جب رسول اللہ

کو اس امر کا اختیار (تخییر) دیا گیا کہ آپ ازواجِ مطہرات کو اللہ و رسول اور دنیا کے درمیان کسی ایک کا انتخاب کر لینے کا حق دیں تو آپ نے حضرت عائشہ سے اس کا آغاز کیا اور ساتھ ہی مشورہ دیا کہ جلدی نہ کریں اور فیصلہ والدین سے مشورہ کے بعد ہی کریں۔ کیونکہ آپ جانتے تھے کہ ان کے والدین رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جدائی کا کبھی مشورہ نہ دیں گے۔ پھر آپ نے یہ آیاتِ کریمہ اجراً عظیماً تک تلاوت کیں حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے (چھوٹتے ہی) کہا: کیا اس معاملہ میں والدین سے مشورہ کروں گی؟ میں بلا جھجک اللہ، اس کے رسول اور دارِ آخرت کو چاہتی اور منتخب کرتی ہوں۔ بعد میں آپ کی تمام ازواجِ مطہرات نے یہی انتخاب کیا امام بخاری نے اس حدیث کی کئی متابعات کا بھی حوالہ دیا ہے۔ امام بخاری نے حضرت عائشہ کی دوسری روایت آیت کریمہ ۵۱: ترجی من تشاء منھن وتؤوی الیک من تشاء الخ کی تفسیر میں ہشام بن عروہ اور ان کے واسطے سے ان کے والد سے یہ نقل کی ہے: جو عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا نفس ہبہ کرتی تھیں مجھے ان پر بہت غیرت آتی تھی اور میں کہا کرتی تھی کیا کوئی عورت اپنی ذات کو ہبہ بھی کر سکتی ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل کی تو میں نے آپ سے عرض کیا: میں دیکھتی ہوں کہ آپ کا رب آپ کی خواہش و پسند پوری کرنے میں جلدی کرتا ہے۔ اسی آیت کریمہ کے بارے میں حضرت عائشہ رضی کی ایک اور روایت عاصم احول کے ذریعہ معاذہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے نزول کے بعد بھی ہم سے اپنی باری والی بیوی کے پاس جانے کی اجازت ضرور لیا کرتے تھے۔ راوی نے حضرت عائشہ رضی سے دریافت کیا: تب آپ کیا کہا کرتی تھیں؟ فرمایا: میں آپ سے عرض کیا کرتی تھی کہ اگر اس باب میں مجھے اختیار رہے تو اے اللہ کے رسول! میں آپ پر کسی اور کو ترجیح دینے کا ارادہ نہیں رکھتی۔ امام بخاری نے اس کی بھی ایک متابع روایت کا حوالہ آخرِ حدیث میں دیا ہے۔ امام ترمذی نے امام بخاری کی بیان کردہ آیتِ تخییر سے متعلق حدیثِ عائشہ تقریباً ان ہی الفاظ میں بیان کی ہے اور آخر میں اس کو حدیث صحیح قرار دے کر بعض دوسری اسناد کا بھی امام بخاری کی مانند حوالہ دیا ہے۔ امام ترمذی نے آیتِ ارجاء سے متعلق کوئی روایت نہیں بیان کی ہے۔ البتہ امام احمد بن حنبل نے حضرت جابر بن عبداللہ سے حضرت عائشہ اور

حضرت حفصہ کا مطالبۂ نفقہ اور تخییر اور حضرت عائشہ سے تخییر کے بارے میں امام بخاری کی اولین روایت مذکورہ بالا مزید روایت کی ہیں۔ اور حضرت ام سلمہ کی سند پر آیت تطہیر کا ان کے گھر میں نازل ہونے کی روایت بھی نقل کی ہے۔ اسی کے ساتھ انھوں نے عورتوں کا ہبہ کرنے اور آپ کے ارجاء کرنے کے اختیار سے متعلق روایات بھی بیان کی ہیں[۲۹]۔

سورہ احزاب کی دو اور آیات کریمہ ۵۳: لاتدخلوا بیوت النبی الخ اور ۵۴: ان تبدوا شیئا او تخفوہ الخ کی تفسیر میں امام بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دو حدیثیں نقل کی ہیں۔ اول میں یہ ہے کہ آیتِ حجاب کا نزول اور پردہ کے احکام کے نفاذ کے بعد حضرت سودہ کسی ضرورت سے باہر نکلیں وہ قدرے جسیم تھیں جان پہچان والوں سے ان کا پوشیدہ رہنا ممکن نہ تھا چنانچہ حضرت عمر نے ان کو نہ صرف پہچان لیا بلکہ ان کا اعلان بھی کر دیا۔ حضرت سودہ الٹے پاؤں واپس آئیں۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں رات کا کھانا کھا رہے تھے۔ آپ کو سارا واقعہ سنایا تو اسی وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس نے عورتوں کو اپنی ضرورت سے باہر نکلنے کی اجازت دے دی۔ یہ ہشام بن عروہ کی روایت اپنے والد کی سند سے ہے۔ دوسری حدیث عائشہ جو عروہ سے زہری نے نقل کی ہے رضاعت کے اہم مسئلہ سے متعلق ہے۔ آیتِ حجاب کے نزول کے بعد ابو القعیس کے بھائی حضرت افلح نے حضرت عائشہ کے گھر آنے کی اجازت مانگی مگر انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھے بغیر اجازت دینے سے انکار کر دیا کیونکہ "انھوں نے مجھے دودھ نہیں پلایا تھا بلکہ ابو القعیس کی بیوی نے پلایا تھا۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بتایا تو آپ نے فرمایا کہ تم نے اپنے چچا کو اجازت کیوں نہیں دی۔ ان کو اجازت دے دو کہ وہ تمہارے چچا ہیں"۔ عروہ کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ کہا کرتی تھیں کہ نسب سے جو چیزیں حرام ہوتی ہیں ان کو رضاعت سے بھی حرام قرار دیا کرو[۳۰]۔

ترمذی میں حضرت عائشہ سے سورۂ احزاب کی دوسری آیت کی تفسیر مروی ہے وہ آیت کریمہ ۳۷: واذ تقول للذی انعم اللہ علیہ وانعمت علیہ الخ یعنی حضرت زید بن حارثہ اور حضرت زینب بنت جحش کی شادی، ان کے تعلقات کی خرابی وغیرہ سے

متعلق ہے اور بہت اہم روایت ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحی میں سے کسی چیز کو چھپانا ہی چاہتے تو اس آیت کو چھپاتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت زینب بنت جحش سے شادی کر لی تو لوگوں نے اعتراض کیا کہ آپ نے اپنے (متبنیٰ) بیٹے کی بیوی سے شادی کر لی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نمبر ۴۰ نازل کی: ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو (حضرت زید کو) بچپن میں متبنیٰ بنا لیا تھا اور وہ بالغ ہونے تک زید بن محمد کہلاتے رہے۔ اس کے بعد حکم الٰہی اترا (آیت ۵) ادعوھم لآبائھم ۔ فاخوانکم فی الدین وموالیکم الخ۔ امام ترمذی نے اس کی بعض سندیں بھی بیان کی ہیں۔ اور اس کو حدیث حسن صحیح قرار دیا ہے۔ امام ترمذی نے اس واقعہ سے متعلق اور بھی بعض مختصر روایات مختلف اسناد سے نقل کی ہیں۔ امام احمد بن حنبل نے امام بخاری کی روایت کردہ حضرت عائشہ کی روایت مختصراً نقل کی ہے اور بتایا ہے کہ اس موقع پر واذ تقول سے لے کر وکان امر اللہ مفعولا تک آیات اتریں۔ اگرچہ امام بخاری نے اس سند سے یہ روایت نہیں دی مگر دوسری اسناد سے پورا واقعہ مفصل بیان کیا ہے۔ حضرت زینب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی، اس کی خوشی میں دعوتِ ولیمۂ نبوی، پردہ کی آیات کے نزول سے متعلق دوسری روایات امام بخاری اور امام ترمذی وغیرہ کے ہاں حضرت عائشہ یا دوسری ام المومنین کی سند کے سوا مذکور ہیں تاہم ان کا حوالہ یہاں دینا اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وہ ازواجِ مطہرات کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حسنِ معاشرت کا ایک پہلو ہی نہیں پیش کرتے بلکہ بعض اہم آیات قرآنی کی تفسیر و تشریح بھی بیان کرتی ہیں۔ ان کا ذکر کسی اور جگہ مفصل آئے گا۔ امام احمد اور امام ترمذی کے ہاں سورۂ احزاب سے متعلق آخری تفسیرِ عائشہ بہت اہم ہے۔ ام المومنین کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وفات سے قبل تمام عورتیں حلال کر دی گئی تھیں۔ امام ترمذی نے اس کو حدیث حسن صحیح قرار دیا ہے۔ دراصل علماء کرام اور مفسرین عظام کے درمیان یہ مسئلہ مختلف فیہ رہا ہے۔ صحابۂ کرام میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خیال تھا کہ سورۂ احزاب کی آیت کریمہ ۵۲: لا یحل لک النساء من بعد، دوسرے حکم الٰہی (آیت ۵۰) سے منسوخ ہو گئی تھی جبکہ حضرت انس

وغیرہ کا خیال تھا کہ موجودہ ازواجِ مطہراتؓ کے سوا اور تمام عورتیں آپ پر آخری عمر تک حرام ہی رہیں۔ بعد کے علماء کے درمیان بھی اس مسئلہ پر اختلاف ہے۔ امام بخاری نے کتاب المغازی اور امام مسلم نے کتاب التفسیر میں حضرت عائشہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ آیت کریمہ ۱۰: اِذْ جَاؤُكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ کا تعلق جنگ خندق سے تھا اور یہی حال زار بیچ مسلمانوں کا اس زمانے میں تھا۔[۳۹]

سورۂ سبا، سورۂ فاطر، سورۂ یٰس، سورۂ صافات، سورۂ ص، سورۂ زمر، سورۂ مومن، سورۂ حم سجدہ، سورۂ شوریٰ، سورۂ زخرف، سورۂ دخان، سورۂ جاثیہ اور سورۂ احقاف تک کسی میں بھی امام بخاری کے ہاں کسی بھی ام المومنین سے کوئی تفسیر مروی نہیں ہے لیکن سورۂ احقاف کی آیت کریمہ ۱۷: وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَا الخ کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا ایک قول دوسروں سے اور ایک تفسیر ان سے خود ضرور مروی ہے۔ یوسف بن ماہک کی روایت ہے کہ حضرت مروان بن حکم نے بطور امیر مدینہ خطبہ دیا اور اس میں یزید بن معاویہ کا ذکر کیا تاکہ لوگ ان کے والد ماجد کے بعد ان کی بیعت کرلیں۔ اس پر عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے اس سے کچھ کہہ دیا (فقال له شیئا)۔ مروان نے کہا کہ ان کو پکڑو۔ وہ حضرت عائشہ کے گھر میں داخل ہو گئے لہٰذا وہ ان پر قابو نہ پا سکے۔ مروان نے کہا کہ یہی وہ شخص ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت نازل کی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پردہ کے پیچھے سے فرمایا: سوائے میرے عذر / برات کے اللہ تعالیٰ نے ہمارے بارے میں قرآن میں اور کچھ نازل نہیں فرمایا۔[۴۰] خود حضرت عائشہ صدیقہؓ سے جو تفسیر مروی ہے وہ آیت کریمہ ۲۴: فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِیَتِهِمْ کی ہے۔ سلیمان بن یسار نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ آپ کے حلق کے کوے (لہواتہ) کو دیکھ لیتی کیونکہ آپ صرف تبسم فرماتے تھے۔ اور آپ جب بادل یا ہوا کو تیز چلتے دیکھتے تو آپ کے چہرۂ مبارک پر پریشانی کے آثار پیدا ہو جاتے۔ حضرت عائشہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! لوگ جب بادل دیکھتے ہیں تو اس بات سے خوش ہوتے ہیں کہ اس میں بارش ہو گی اور میں دیکھتی ہوں کہ ان کو دیکھ کر آپ کے چہرے پر کراہیت پیدا ہو جاتی ہے۔ فرمایا: عائشہ! مجھے خوف ہوتا ہے کہ اس میں عذاب نہ ہو۔ ایک قوم کو تیز ہوا

(ریح) سے عذاب دیا گیا اور جب قوم نے عذاب کو دیکھا تو کہا: یہ بادل ہے جو ہم پر بارش برسائے گا۔[۱] امام احمد بن حنبل اور امام ترمذی نے بھی سورۂ احقاف تک مذکورہ بالا سورتوں میں کسی بھی ام المومنین سے کوئی تفسیری روایت نقل نہیں کی ہے اور دلچسپ بات ہے کہ انھوں نے بھی چند الفاظ کے اختلاف کے ساتھ حضرت عائشہ کی بادلوں کے بارے میں وہی حدیث نقل کی ہے جو امام بخاری کے ہاں ہے۔ ترمذی میں بس فرق یہ ہے کہ جب آپ بدلی (مخیلۃ) دیکھتے تو اندر آتے اور باہر جاتے اور جب بارش ہو جاتی تو آپ کی پریشانی دور ہو جاتی۔ حضرت عائشہ کے استفسار پر آپ نے فرمایا: مجھے خدشہ ہوتا ہے کہ کہیں اللہ کے اس قول کے مانند معاملہ نہ ہو اور آپ نے آیت مذکورہ پڑھ دی۔ امام موصوف نے اس کو حدیث حسن قرار دیا۔[۲]

امام احمد، امام بخاری اور امام ترمذی میں سے کسی نے بھی سورۂ محمد کی تفسیر میں کوئی روایت ازواج مطہرات سے نہیں نقل کی ہے۔ البتہ اس کے بعد کی سورۂ الفتح میں امام بخاری نے حضرت عائشہ کی ایک روایت بیان کی ہے۔ ابوالاسود نے عروہ کی سند پر حضرت عائشہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں اس درجہ قیام فرماتے اور نمازیں اتنی زیادہ پڑھتے تھے کہ آپ کے دونوں پیر سوج جاتے تھے (کان یقوم من اللیل حتی تتفطر قدماہ)۔ حضرت عائشہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ اللہ نے تو آپ کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے ہیں؟ فرمایا: کیا میں یہ پسند نہ کروں کہ میں ایک شکر گزار بندہ ہوں۔ پھر جب آپ پر گوشت چڑھ گیا تو بیٹھ کر نماز (شب) ادا کرتے، جب رکوع کرنے کا ارادہ کرتے تو کھڑے ہو جاتے، قرآن پڑھتے اور پھر رکوع کرتے۔[۳] غالباً اس کا تعلق سورہ کی آیت ۲ سے ہے۔

امام احمد اور امام ترمذی نے سورۂ فتح میں کوئی تفسیر کسی ام المومنین سے روایت نہیں کی ہے اور اس کے بعد کی کئی سورتوں میں بھی انھوں نے امام بخاری کے ساتھ ساتھ سورۂ حجرات، سورۂ ق اور سورۂ ذاریات کی تفسیر میں بھی ان سے کوئی تفسیری روایت نہیں نقل کی ہے۔ امام بخاری نے البتہ سورۂ طور کی تفسیر میں عروہ کے واسطے سے زینب بنت ابی سلمہ کی سند پر حضرت ام المومنین ام سلمہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ میں بیمار ہوں۔ آپ نے فرمایا: لوگوں کے پیچھے سوار ہو کر طواف کر لو۔ میں نے طواف کیا اور اس وقت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کے ایک گوشہ کی طرف نماز میں سورۂ طور (والطور وکتاب مسطور) پڑھ رہے تھے۔[۴۴] امام بخاری نے سورہ النجم کی تفسیر میں مسروق کی سند پر حضرت عائشہ کی وہ تفسیری روایت بیان کی ہے جس میں یہ کہا گیا تھا کہ تین باتیں ایسی ہیں جو کوئی کہے تو وہ اللہ تعالیٰ پر بہتان عظیم باندھے گا۔ وہ یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا، یا آپ کو علم غیب تھا یا آپ نے وحی میں سے کوئی بات چھپالی۔ اوپر ذکر آچکا ہے کہ امام ترمذی نے یہ حدیث الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ سورہ الانعام کی آیت کریمہ ۱۰۳: لاتدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار کی تفسیر میں بیان کی ہیں جبکہ امام احمد بن حنبل نے سورہ النجم کی اس آیت کریمہ کو حضرت عائشہ سے مختصراً یوں نقل کیا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس امت میں اول شخص تھیں جنھوں نے ان دونوں آیات (ولقد رآہ بالافق المبین اور ولقد رآہ نزلۃ اخریٰ) کے بارے میں آپ سے پوچھا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ جبریل تھے جن کو ان کی اصل خلقی صورت میں آپ نے صرف دو بار دیکھا تھا کہ وہ آسمان سے اترتے ہوئے پورے افق کو گھیرے ہوئے تھے۔ یہ تفسیری روایت بہت اہم ہے۔ بیشتر صحابہ کرام جیسے حضرات عبداللہ بن مسعود وغیرہ نے جن کا ذکر امام بخاری نے کیا ہے اسی کے قائل تھے کہ آپ نے دو بار حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا تھا اور اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا تھا۔ لیکن امام ترمذی کی ایک روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن عباس کا خیال ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا (قال ابن عباس: قد رآہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم)۔ امام موصوف نے اس کو حدیث حسن قرار دیا ہے۔ حضرت ابن عباس کی ایک اور حدیث حسن ترمذی میں ہے "جس میں "ماکذب الفؤاد مارای" کی تفسیر میں ان سے مروی ہے کہ آپ نے اللہ کو اپنے دل سے دیکھا تھا۔ جبکہ عبداللہ بن شقیق کی سند پر مروی حدیث ابی ذر میں ہے کہ راوی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خود اس باب میں پوچھا تھا اور آپ نے فرمایا تھا: وہ تو ایک نور ہے میں اسے کہاں دیکھ سکتا ہوں۔ اس باب میں تین نقطہ ہائے نظر سامنے آتے ہیں۔ اول یہ کہ آپ نے اللہ کو بچشم قلب دیکھا۔ یہ نقطۂ نظر حضرات ابن عباس، ابوذر غفاری اور ابراہیم تیمی کا ہے، دوم یہ کہ آپ نے بچشم سر مشاہدہ کیا یہ ایک جماعت مفسرین کا خیال ہے جس میں حضرات انس، عکرمہ اور ربیع شامل ہیں اور ایک قول میں حسن بصری کا بھی یہی مذہب ہے۔ سوم

آپ نے اللہ کو نہیں دیکھا یہ حضرت عائشہ اور بیشتر صحابہ کا قول ہے۔ امام احمد بن حنبل نے آیت کریمہ وھو بالافق المبین کے ضمن میں ایک روایت ام المومنین سے نقل کی ہے[۵۶]۔

سورۂ نجم کی آیت کریمہ ۲۰: ومناۃ الثالثۃ الاخری کی تفسیر میں بھی حضرت عائشہؓ کی ایک روایت امام بخاری نے زہری اور عروہ بن زبیر کے حوالہ سے نقل کی ہے اور وہ صفا و مروہ کے درمیان طواف نہ کرنے والے انصار اور غسان سے متعلق ہے جو مشلل میں واقع اپنے قومی بت مناۃ سے احرام باندھا کرتے تھے اور اس کے اعزاز میں صفا و مروہ کا طواف کرنا باعث ننگ صنم سمجھتے تھے۔ اس کا ذکر سورۂ بقرہ کی مذکورہ بالا آیت کریمہ میں آچکا ہے[۵۷]۔ امام ترمذی نے اس سورہ میں ام المومنین سے کوئی روایت نقل نہیں کی ہے نہ اس کا حوالہ دیا ہے۔ سورۂ قمر کی آیت کریمہ ۴۵: سیھزم الجمع ویولون الدبر کی تفسیر میں امام بخاری نے حضرت عائشہ کی ایک روایت یوسف بن ماہک کی سند پر یہ بیان کی ہے کہ جب یہ آیت کریمہ مکہ مکرمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تو میں ایک نوعمر لڑکی تھی اور کھیلا کرتی تھی[۵۸]۔

اس کے بعد سورۂ رحمٰن، سورۂ واقعہ، سورۂ حدید، سورۂ مجادلہ اور سورۂ حشر کی تفسیر میں کسی بھی ام المومنین سے کوئی روایت نہ تو امام بخاری کی جامع صحیح کی کتاب التفسیر میں ہے اور نہ ہی امام ترمذی کے ابواب تفسیر القرآن کے کسی باب میں ہے۔ البتہ امام احمد بن حنبل نے سورۂ رحمٰن کی آیت کریمہ ۳۶: فیومئذ لایسئل عن ذنبہ انس ولاجان اور آیت کریمہ ۴۱: یعرف المجرمون بسیماھم کے بارے میں حضرت عائشہ کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کی مغفرت کی جائے گی اس سے قیامت کے دن حساب نہیں لیا جائے گا اور مسلمان اپنی قبر میں اپنا عمل دیکھے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور اس کے بعد مذکورہ بالا دونوں آیات کریمہ آپ نے تلاوت فرمائیں۔ شارح نے عروہ کی اس روایت کو غریب کہا ہے۔ اور سورۂ مجادلہ کی آیت مجادلہ کی تفسیر میں حضرت عائشہ سے ایک اور حدیث امام احمد بن حنبل نے نقل کی ہے۔ فرماتی ہیں: اللہ تعالیٰ کے لیے تمام تعریف ہے جس کی سماعت تمام آوازوں پر حاوی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدال کرنے والی (مجادلہ) عورت جو ان کی اپنی روایت کے مطابق حضرت خولہ بنت ثعلبہ تھیں آپ کے پاس آئی اور آپ سے باتیں کرنے لگی اس وقت

میں گھر کے کونے میں تھی اور جو کچھ وہ کہہ رہی تھی میں نہیں سن رہی تھی اس پر اللہ نے یہ آیت نازل کی۔ البتہ دونوں اول الذکر اماموں نے سورۂ ممتحنہ میں حضرت عائشہ کی ایک تفسیری روایت بیان کی ہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ دونوں کے ہاں ایک ہی آیت کریمہ کے بارے میں ایک جیسی روایت ہے مگر مفہوم یکساں ہونے کے باوجود تفصیلات، الفاظ، اسناد اور اقوال ایک دوسرے سے کافی مختلف ہیں۔ امام بخاری کی روایت زہری کے حوالہ سے عروہ سے مروی ہے۔ حضرت عائشہ نے ان کو خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے فرمان (آیت ۱۲): یاایھا النبی اذا جاءک المومنات یبایعنک الی قولہ غفور الرحیم کے مطابق اپنے پاس ہجرت کرکے آنے والی مسلمان عورتوں سے بیعت لیا کرتے تھے حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ مسلمان عورتوں میں سے جو اس شرط کا اقرار کرتی اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: میں نے تم سے بات کا ذریعہ بیعت کرلی۔ حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ اللہ کی قسم! آپ کا ہاتھ بیعت کرتے وقت کسی عورت کے ہاتھ سے کبھی مس نہیں ہوا۔ آپ ان سے اپنے قول "میں نے تم سے بیعت کرلی" کے ذریعہ ہی بیعت کرتے تھے۔ یونس، معمر اور عبدالرحمن بن اسحاق نے زہری سے اسی کی متابعات نقل کی ہیں جب کہ اسحاق بن راشد نے زہری کے واسطہ سے عروہ اور عمرہ سے نقل کیا ہے۔ امام ترمذی نے معمر کے ذریعہ ابن طاؤس اور ان کے والد کے واسطہ سے یہ بیان کیا ہے کہ آپ کا ہاتھ کسی عورت کے ہاتھ سے مس نہیں ہوا۔ اور آپ زبانی بیعت کرتے تھے۔ امام موصوف کی روایت بہت مختصر ہے۔ جبکہ امام احمد بن حنبل نے حضرت عائشہ کی یہ مختصر حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مومنات کا امتحان اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ اس آیت کا ذریعہ لیا کرتے تھے۔ انھوں نے اس باب میں حضرت ام سلمہ سے ایک نئی روایت نقل کی ہے کہ عورتوں سے معروف میں آپ کی نافرمانی نہ کرنے کی بھی بیعت لیتے تھے اور اس سے مراد آپ نے یہ بتائی کہ پردہ پر توجہ نہیں کیا کریں گی۔[۵۸]

اس کے بعد کی کئی سورتوں۔ سورۂ صف، سورۂ جمعہ، سورۂ منافقون، سورۂ تغابن اور سورۂ طلاق ـــ کی تفسیر میں امام بخاری کے ہاں ام المومنین سے کوئی روایت نہیں ہے اور نہ امام احمد و امام ترمذی کے ہاں۔ امام بخاری اور امام احمد نے سورۂ تحریم (آیت ۱)

کی تفسیر میں حضرت عائشہ سے ایک روایت نقل کی ہے حضرت عائشہ کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب بنت جحش کے پاس شہد پیا کرتے تھے اور ان کے پاس ٹھہرا کرتے تھے۔ میں نے اور حفصہ نے یہ طے کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس آپ تشریف لائیں گے وہ آپ سے کہے گی کہ آپ نے مغافیر کھایا ہے کیونکہ آپ سے مغافیر کی بو آ رہی ہے۔ (جب ایسا ہوا تو) آپ نے فرمایا: نہیں، میں نے تو زینب بنت جحش کے پاس شہد پیا ہے اور میں نے قسم کھالی ہے کہ اب ایسا دوبارہ کبھی نہیں کروں گا۔ امام بخاری نے اس کے بعد حضرت ابن عباس کی وہ روایت بیان کی ہے جس کے مطابق آیت کریمہ ع۲ : وان تتوبا الی اللہ فقد صغت قلوبکما الخ کی تفسیر میں ان دونوں عورتوں سے مراد حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کو بتایا گیا ہے۔ اس طویل حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک سے امہات المومنین عائشہ، حفصہ، ام سلمہ وغیرہ رضی اللہ عنہن کے ساتھ آپ کی معاشرت اور پھر واقعۂ ایلا کا بیان بھی مذکور ہوا ہے۔ اس کے بعد والے باب میں بھی آیت کریمہ ع۳ : واذا اسر النبی الی بعض ازواجہ کی تفسیر میں حضرت عائشہ کو مراد بتایا گیا ہے اور دوسری حدیث میں مظاہرہ کرنے والی دو ازواج مطہرات کے نام حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کے بتائے گئے ہیں۔ ان روایات کو اگرچہ دوسرے راویوں کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے مگر ان میں بعض ازواج مطہرات کے ذکرِ خیر کے سبب ان کا یہاں مختصر حوالہ دینا ضروری سمجھا گیا۔ امام احمد اور امام ترمذی نے بھی واقعہ ایلاء، مظاہرہ وغیرہ سے متعلق مذکورہ بالا حدیثِ ابن عباس کو اس سورہ کی تفسیر میں نقل کیا ہے۔[۹۵]

بعد کی متعدد سورتیں یعنی سورۂ ملک، سورۂ قلم، سورۂ حاقہ، سورۂ معارج، سورۂ نوح، سورۂ جن، سورۂ مزمل، سورۂ مدثر، سورۂ قیامہ، سورۂ دہر، سورۂ مرسلات، سورۂ نبا اور سورۂ نازعات مسند احمد اور بخاری ام المومنین کی تفسیر سے خالی ہیں اور یہی معاملہ امام ترمذی کے ہاں بھی ہے۔ موخر الذکر دونوں نے اس کے بعد سورۂ عبس ہی کی ایک آیت کی تفسیر دی ہے اور دونوں میں الگ الگ حدیثِ عائشہ مروی ہے۔ بخاری کی حدیثِ عائشہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کی مثال جو قرآن مجید پڑھتا ہے اور اس کا حافظ ہے وہ بزرگ فرشتوں (السفرۃ الکرام) کے ساتھ ہوگا اور اس شخص کی مثال جو اسے اٹک اٹک

کے دشواری کے ساتھ پڑھتا ہے اس کے لیے دہرا اجر ہے۔ امام صاحب نے اس حدیث کو سورۂ متعلقہ کی آیت کریمہ ۱۵-۱۶: سفرۃ کرام بررۃ کی مناسبت اور تعلق و تفسیر کے لحاظ سے یہاں نقل کیا ہے۔ جبکہ امام ترمذی نے جو روایتِ ام المومنین بیان کی ہے وہ اس کے شانِ نزول سے متعلق ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ سورۂ عبس وتولی نابینا ابن ام مکتوم کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گذار ہوئے کہ مجھے ہدایت و رشد کا راستہ دکھائیے۔ اس وقت خدمتِ نبوی میں مشرکین کے اکابرین سے ایک شخص حاضر تھا۔ آپ اول الذکر سے اعراض کرنے اور موخر الذکر پر توجہ کرنے لگے۔ ابن ام مکتوم نے عرض کیا: کیا میری بات میں کوئی خرابی (باس) ہے۔ آپ نے فرمایا: نہیں۔ اسی باب میں یہ سورہ اتری۔ امام ترمذی نے تصریح کی ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور بعض روایات میں یہ عروہ سے ان کے فرزند ہشام کے ذریعہ مروی ہے مگر ان میں حضرت عائشہ کا ذکر نہیں ہے[۵۹]

تینوں ائمہ حدیث نے سورۂ تکویر، سورۂ انفطار اور سورۂ تطفیف کی تفسیر میں حضرت عائشہ یا کسی اور ام المومنین کی کوئی روایت نہیں بیان کی ہے پھر تینوں نے سورۂ انشقاق کی تفسیر میں تقریباً یکساں حدیثِ عائشہ نقل کی ہے جو بہت اہم ہے۔ بخاری میں ابن ابی ملیکہ نے قاسم کے واسطے سے حضرت عائشہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس سے حساب لیا جائے اور وہ ہلاک نہ ہو۔ حضرت عائشہ نے کہا: یا رسول اللہ! اللہ مجھے آپ پر قربان کرے۔ کیا اللہ عزوجل یہ نہیں فرماتا ہے: فاما من اوتی کتابہ بیمینہ فسوف یحاسب حسابا یسیرا (آیت ۷-۸) آپ نے فرمایا یہ تو (اللہ کے سامنے) پیشی ہے جس میں وہ پیش کیے جائیں گے لیکن جس سے حساب میں مناقشہ کیا گیا وہ ہلاک ہوا۔ امام احمد اور امام ترمذی نے چند الفاظ کی کمی کے ساتھ یہی حدیث نقل کی ہے اور موخر الذکر نے اسے حسن صحیح قرار دے کر اس کی کئی اور سندیں بھی بیان کی ہیں[۶۰]

سورۂ بروج، سورۂ طارق، سورۂ الاعلیٰ، سورۂ غاشیہ، سورۂ فجر، سورۂ بلد، سورۂ شمس، سورۂ لیل، سورۂ ضحیٰ، سورۂ انشراح اور سورۂ تین تک تمام سورتوں میں تینوں ائمہ حدیث احمد، بخاری و ترمذی نے ام المومنین کی کوئی روایت نہیں نقل کی ہے۔ امام بخاری نے پھر سورۂ علق

(آیات ۱-۵) کی تفسیر میں زہری کے واسطے عروہ بن زبیر کی سند سے حضرت عائشہ کی روایت بیان کی ہے۔ اس میں یہ ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتدا اچھے خوابوں (رؤیا صادقہ) کے دیکھنے سے ہوئی جو صبح کی روشنی کی مانند صحیح ثابت ہوتے تھے پھر غار حرا میں حضرت جبریل کی آمد، اولین وحی: اقرأ باسم ربك الذي خلق کا نزول، آپ کی پریشانی، حضرت خدیجہ کی تسلی، حضرت ورقہ بن نوفل سے آپ کی ملاقات اور تصدیق رسالت، فترۂ وحی اور حزن نبوی اور آخر میں آسمان پر حضرت جبریل کے بارے میں مشاہدۂ نبوی، خوف زدگی کے عالم میں آپ کی واپسی اور آپ کے کمبل اوڑھ کر لیٹنے کے بعد سورۂ مدثر کے نزول اور بعد میں وحی کے مسلسل نزول کے جیسے اہم امور شامل ہیں۔ اس طویل حدیث عائشہ کے بعد ام المومنین کی ایک مختصر حدیث (آیت کریمہ ۲): خلق الانسان من علق کی تفسیر میں بیان کی گئی ہے کہ سب سے پہلے رؤیا صادقہ سے وحی کی ابتدا ہوئی پھر یہ آیات نازل ہوئیں۔ دو اور مختصر روایات ام المومنین میں امام بخاری نے اول الذکر طویل حدیث کے بعض فقرے اور حصے نقل کیے ہیں۔ امام احمد بن حنبل نے اولین نزول قرآن کے ضمن میں یہی حدیث حضرت عائشہ مختصراً بیان کی ہے اور مفصل دوسری جگہ نقل کی ہے[۵۲]۔

اس کے بعد امام بخاری اور امام احمد نے سورۂ قدر، سورۂ البینہ، سورۂ زلزال، سورۂ عادیات، سورۂ قارعۃ، سورۂ تکاثر، سورۂ عصر، سورۂ ہمزہ، سورۂ فیل، سورۂ قریش اور سورۂ ماعون کو چھوڑتے ہوئے سورۂ کوثر کی تفسیر میں حضرت عائشہ کی ایک روایت بیان کی ہے۔ ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اللہ تعالیٰ کے فرمان (آیت ۱): انا اعطیناك الكوثر کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے فرمایا: وہ ایک نہر ہے جو تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی گئی ہے۔ اس کے دونوں کناروں پر کھوکھلے موتی بکھرے ہوئے ہیں (دُرٌ مجوف) اس کے جاموں (آنیتہ) کی تعداد ستاروں کے برابر ہے اسی طرح زکریا اور ابو الاحوص اور مطرف نے ابو اسحاق سے روایت کی ہے[۵۳]۔ سورۂ کافرون کو چھوڑتے ہوئے امام احمد بن حنبل اور امام بخاری نے سورۂ نصر کی تفسیر میں ام المومنین کی ایک اور حدیث نقل کی ہے۔ مسروق کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ سورۂ نصر (آیات ۱-۳) کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بھی نماز پڑھی اس میں آپ ضرور یہ کہتے تھے: سبحانك ربنا

وبحمدك، اللّٰھم اغفرلی۔ امام احمد کی روایت میں تسبیح کے الفاظ یوں ہیں: سبحانك اللّٰھم وبحمدك، اللّٰھم اغفرلی۔ امام احمد نے صرف یہی روایت نقل کی ہے دوسری نہیں۔ بخاری کی اسی روایت کی دوسری شکل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رکوع اور اپنے سجدہ میں کثرت سے کہا کرتے تھے: سبحانك اللّٰھم ربنا وبحمدك، اللّٰھم اغفرلی۔ یہ آپ قرآن کریم میں مذکور حکم الٰہی کی تعمیل میں کہا کرتے تھے (سورۂ نصر میں حکم الٰہی یہ ہے کہ جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے اور آپ لوگوں کو اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے دیکھیں تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں اور اس سے استغفار چاہیں کہ وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے)[۴۴]۔ امام بخاری کی کتاب تفسیرِ قرآن کریم میں کسی بھی ام المومنین کی یہ آخری روایت ہے کیونکہ انھوں نے اس کی بعد کی تمام سورتوں سورۂ لہب، سورۂ اخلاص، سورۂ الفلق اور سورۂ الناس میں کوئی روایت نہیں بیان کی ہے اور نہ کوئی حوالہ ہی دیا ہے۔ امام احمد اور امام ترمذی نے مذکورہ بالا تمام سورتوں میں ام المومنین کی کوئی حدیث نقل نہیں کی سوائے سورۃ المعوذتین کے جو ان کی بھی آخری روایتِ تفسیر ہے۔ حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند کی طرف دیکھا اور فرمایا: اے عائشہ! اس کے شر سے اللہ کی پناہ چاہو، کیونکہ یہی لوٹتے وقت اندھیرا کرنے والا ہے: فان ھذا ھو الغاسق اذا وقب (آیت ۳) امام ترمذی نے آخری سورت کی آخری حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے[۴۵]۔

اگرچہ احمد، بخاری اور ترمذی تینوں میں تفسیر کا باب اسی آخری سورۂ پر ختم ہوتا ہے تاہم امام بخاری نے فضائل القرآن کے عنوان سے جو اپنی کتاب صحیح کا آخری باب باندھا ہے وہ بھی قرآن کریم سے متعلق ہے اور اس میں بھی بعض روایات کسی نہ کسی ام المومنین بالخصوص حضرت عائشہ سے نقل کی گئی ہیں اسی طرح امام ترمذی نے تفسیرِ قرآن سے پہلے دو اور باب قرآن کریم کے متعلق باندھے ہیں۔ ان میں سے ایک ابواب فضائل القرآن ہے اور دوسرا مختلف قراءتوں سے بحث کرنے والا ابواب القراءات ہے۔ ان دونوں میں بھی بعض روایات کسی نہ کسی ام المومنین سے بیان کی گئی ہیں۔ بحث کو مکمل کرنے کی غرض سے مسند احمد بن حنبل سے وہ تمام روایاتِ امہات المومنین بھی شامل کرلی گئی ہیں جو احمد عبدالرحمٰن البنا الساعاتی نے الفتح الربانی میں ابواب وار

جمع کردی ہیں۔ ان ابوابِ حدیث کا بھی جائزہ لینا ضروری ہے کہ اس کے بغیر ازواجِ مطہرات کی قرآنی خدمات کا تجزیہ ناقص رہے گا اور ہماری فہم قرآن کریم بھی کمزور رہے گی۔

امام بخاری نے نزولِ قرآن کریم سے ہی اس کتاب کا آغاز کیا ہے اور شروع ہی میں دو روایتیں ایسی نقل کی ہیں جو دو ازواجِ مطہرات سے مروی ہیں۔ ابوسلمہ کا بیان ہے کہ مجھے حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس دونوں نے بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں دس سال مقیم رہے اور دس سال ہی مدینہ میں اور اس دوران آپ پر قرآن نازل ہوتا رہا۔ دوسری روایت ابوعثمان سے مروی ہے اور ان کا کہنا ہے کہ مجھے یہ خبر دی گئی کہ جبریل علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ کے پاس حضرت ام سلمہ موجود تھیں۔ وہ آپ سے باتیں کرنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ سے پوچھا: یہ کون ہیں؟ یا ایسی کوئی بات کہی۔ حضرت ام سلمہ نے عرض کیا: یہ دحیہ (کلبی) ہیں۔ پھر وہ اٹھ کر چلے گئے۔ ام المومنین فرماتی ہیں کہ اللہ کی قسم! میں انکو دحیہ ہی سمجھتی رہی یہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ سنا جس میں آپ نے جبریل کی خبر کا ذکر کیا۔ ابوعثمان نے بتایا کہ میں نے یہ حدیث حضرت اسامہ بن زید سے سنی تھی[۵۹]

حضرت حفصہ سے متعلق امام بخاری نے وہ روایت دوسروں کی سند پر بیان کی ہے جس کے مطابق حضرت ابوبکر کے زمانے میں حضرت زید بن ثابت کا تیار کردہ مصحف امام حضرت عمر کی شہادت کے بعد ام المومنین کے پاس آگیا تھا اور انھیں سے حضرت عثمان نے اپنے زمانۂ خلافت میں لے کر کئی مصاحف اس کی بنیاد پر تیار کرائے تھے[۶۰]۔ یوسف بن ماہک نے ایک روایت حضرت عائشہ سے نقل کی ہے کہ ایک عراقی حضرت ام المومنین کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے ان کا مصحف مانگا۔ انھوں نے جب سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ میں اس کی بنیاد پر اپنا قرآن مرتب و مؤلف کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت عائشہ نے فرمایا: تمھیں کیا تکلیف ہوتی ہے، کوئی بھی آیت/سورت پہلے پڑھ لو۔ قرآن کریم کی اولین سورت جو نازل ہوئی وہ مفصل کی ایک سورت ہے جس میں جنت و جہنم کا ذکر ہے۔ یہاں تک کہ جب لوگ اسلام کی طرف دوڑ پڑے (ثاب الی الاسلام) تو حلال و حرام کا نزول ہوا، اگر پہلے چیز یہ نازل ہوتی کہ شراب نہ پیو تو لوگ کہتے ہم شراب تو کبھی چھوڑیں گے، اور اگر پہلے زنا نہ کرنے کی ممانعت ہوتی تو لوگ کہتے

کہ ہم زنا کبھی نہ ترک کریں گے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ میں (سورۂ قمر ۵۴) یہ آیت: بل الساعۃ موعدھم والساعۃ ادھی وامر نازل ہوئی تب میں کمسن لڑکی تھی اور کھیلا کرتی تھی اور جب سورۂ بقرہ اور سورۂ نساء نازل ہوئیں تو میں آپ کے پاس تھی۔ راوی کا بیان ہے کہ پھر انہوں نے اس کے لیے مصحف نکالا اور اس کو سورتوں کی آیات (اولی) لکھوادیں[۵۵] اس باب میں اور جامع صحیح کی بھی آخری حدیث جو ام المومنین سے مروی ہے وہ مسروق کی سند پر بیان ہوئی ہے حضرت عائشہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرگوشی کی کہ ہر سال جبریل مجھ سے دو بار دورہ (معارضہ) کیا ہے اور میرا خیال ہے کہ میری وفات کا وقت آگیا ہے[۵۶]

امام احمد اور امام ترمذی نے ابواب فضائل القرآن میں پہلی حدیث ام المومنین حضرت عائشہ سے قرآن کریم کے قاری کی فضیلت کے متعلق نقل کی ہے۔ اور دلچسپ حقیقت یہ ہے کہ یہ وہی حدیث ہے جو امام بخاری نے سورۂ عبس کی تفسیر میں اور امام احمد نے اپنی مسند میں نقل کی ہے اور جس میں ماہر قاریٔ قرآن کو نیک فرشتوں کے ساتھ ہونے اور بدقت قرآن پڑھنے والے کے لیے دوہرے اجر پانے کا ذکر ہے۔ الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے[۵۷] امام احمد نے حضرت عائشہ کی ایک اور روایت یہ بیان کی ہے کہ ایک شخص کا ذکر خیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالی میں کیا گیا تو آپ نے فرمایا: کیا تم نے اس کو قرآن سیکھتے نہیں دیکھا اسی باب میں ایک اور روایت انھیں سے یہ مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: جس نے قرآن کی پہلی سات سورتیں حاصل کرلیں (اخذ) وہ عالم (حبر) ہے۔ اس کے علاوہ اس کتاب فضیلت میں امام ترمذی نے حضرت عائشہ سے دوسری روایت یہ بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تک سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ زمر نہ پڑھ لیتے سوتے نہ تھے۔ امام موصوف نے اس کو اگرچہ حسن غریب قرار دیا ہے تاہم یہ بھی کہا ہے کہ اس کو ہم سے محمد بن اسمٰعیل نے کتاب التاریخ میں روایت کیا ہے[۵۸] اسی کتاب میں ایک اور ام المومنین حضرت ام سلمہ سے ایک اہم روایت یہ بیان ہوئی ہے کہ یعلیٰ بن مملک نے حضرت ام سلمہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت اور آپ کی نماز کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: تم کو آپ کی نماز سے کیا نسبت؟ آپ نماز پڑھتے تھے پھر سو جاتے تھے اور اتنی دیر سوتے تھے جتنی دیر نماز پڑھی تھی، پھر جس قدر سوئے تھے اسی قدر نماز پڑھتے تھے پھر جس قدر نماز پڑھی تھی اسی قدر

سوتے تھے یہاں تک صبح ہو جاتی۔ پھر انھوں نے آپ کی قراءت کی تعریف یہ بیان کی کہ آپ واضح قراءت حرف حرف کی کیا کرتے تھے۔ امام ترمذی نے اس کو حدیث حسن صحیح غریب قرار دیا ہے پھر اسی روایت کی دوسری شکل ابواب القراءت میں نقل کی ہے۔ اسے امام احمد نے بھی اپنے طریقہ سے روایت کیا ہے۔ اس کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قراءت کو تقطیع کرکے پڑھتے تھے یعنی الحمد للہ رب العالمین پڑھتے پھر ٹھہرتے اور الرحمٰن الرحیم پڑھتے پھر ٹھہر کر مالک یوم الدین پڑھتے۔ امام احمد نے ایک اور روایت میں ابن ابی ملیکہ کا یہ خیال نقل کیا ہے کہ یہ حدیث حضرت حفصہ سے مروی ہے مسند احمد میں ہے کہ حضرت عائشہ سے کہا گیا کہ کچھ لوگ قرآن مجید رات بھر میں ایک یا دو بار پڑھ لیتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ وہ پڑھ کر نہیں پڑھتے۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چودھویں رات (لیلۃ التمام) میں نماز پڑھتی تھی تو آپ سورہ بقرہ، سورۂ آل عمران اور سورۂ نساء پڑھتے اور خوف والی آیت پر گزرتے تو اللہ عزوجل سے دعا اور پناہ مانگتے اور آیت بشارت پڑھتے تو دعا کرتے اور ثواب کی امید کرتے۔[۴۲]

قراءتِ قرآنِ کریم کا معاملہ کافی پیچیدہ اور مشکل ہے۔ روایاتِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ قرآن مجید سات حروف پر نازل ہوا ہے۔ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مختلف انداز سے قراءت کیا کرتے تھے۔ لاعلمی کے سبب ان میں کبھی اختلاف بھی ہوا مگر رسول اللہ صلی اللہ وسلم کی تصریح و تشریح کے بعد وہ اختلاف دور ہو گیا کہ نہ تو وہ کسی مخالفت پر مبنی تھا، نہ اپنے بیجا علم کے گمراہ کن غرور پر۔ حدیث و سیرت کی متعدد روایات میں ایسی اختلافی قراءتوں کا ثبوت ملتا ہے۔ اس باب میں یاد رکھنا ضروری ہے کہ موجودہ قراءتِ قرآن جس پر تمام علماء و صلحاء امت کا اتفاق ہے متواتر قراءت ہے جبکہ اس کی مخالف یا بہتر لفظ مختلف قراءت روایات میں جو بھی ملتی ہے وہ شاذ قراءت ہے۔ متواتر و شاذ اور متفقہ و مختلفہ میں جو فرق ہے وہ واضح ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے واجب اور جائز کا فرق ہے۔ ان شاذ قراءتوں کے باب میں یہ بھی یاد رکھنا چاہئیے کہ وہ اہل علم و اہل زبان صحابہ کرام کا شاذ عمل تھا جو شرف صحبتِ نبوی سے مشرف ہونے کے علاوہ زبان و بیان کی باریکیوں اور کلامِ الٰہی کی روح سے واقف اور اس کے ماہر تھے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے خود سنا تھا۔ ان تمام مسلمہ حقیقتوں باوصف یہ بھی ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ بہر حال یہ شاذ قراءتیں تھیں

جو روایات کے مطابق ایک دو بار کا عمل بھی ہو سکتی ہیں اور ان کو متواتر اور متفقہ قراءتوں پر ترجیح نہیں دی جا سکتی ہم کم علموں کو جو دورِ خیر نبوی سے دور، قرآن مجید کی روح سے ناواقف اور عربی زبان و ادب سے نابلد ہیں متواتر و متفقہ قراءتوں ہی کو اختیار کرنا چاہیے[۳۳] ہم اس وضاحت کے بعد اختلافِ قراءت سے متعلق بعض روایاتِ سیرت و تفسیر و حدیث کا مطالعہ کرنا شروع کرتے ہیں جو ازواجِ مطہرات میں سے کسی نہ کسی سے مروی ہیں

امام احمد اور امام ترمذی نے اس باب میں کسی ام المومنین سے جو پہلی روایت بیان کی ہے وہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے۔ اس کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (سورہ ہود ۴۶) کی آیتِ کریمہ کو اِنَّہٗ عَمِلَ غَیْرَ صَالِحٍ پڑھا۔ اصل قراءت اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ ہے۔ امام ترمذی نے اس روایت کے کئی لوگوں سے نقل ہونے کا ذکر کیا ہے مگر اس کی درجہ بندی نہیں کی ہے یعنی حدیث حسن غریب وغیرہ کچھ نہیں کہا ہے[۶۴] احمد بن حنبل اور امام ترمذی دونوں نے دوسری حدیث حضرت عائشہ سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ واقعہ کی آیتِ کریمہ ۸۹ کو فَرُوحٌ وریحانٌ وجنۃ نعیم پڑھا کرتے تھے (کان یقرأ) جبکہ متواتر قراءت میں رَوْحٌ ہے۔ امام ترمذی نے اس کو حسن غریب کہا ہے اور صرف ہارون اعور کے واسطے سے مروی ہونا بتایا ہے۔ ظاہر ہے کہ متواتر قراءت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر مروی ہے اور اس شاذ قراءت پر اسی کو ترجیح حاصل ہے کہ وہی متفقہ بھی ہے۔ امام موصوف نے بعض دوسرے صحابہ کرام سے اور بھی کئی شاذ قراءتیں نقل کی ہیں۔ مگر ازواجِ مطہرات سے یہاں صرف یہی دو روایات بیان کی ہیں[۶۵]

ابن ابی ملیکہ کی سند پر امام بخاری کی ایک روایت کا اوپر ذکر آچکا ہے جس کے مطابق ام المومنین عائشہ سورۂ نور کی آیت ۱۵ کا لفظ تَلَقَّوْنَہٗ کی قراءت تَلِقُوْنَہٗ کیا کرتی تھیں امام مسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ سے ایک اور حدیث بیان کی ہے مگر قرآن مجید کی اس آیت کا حوالہ یا ذکر نہیں دیا ہے جس کی طرف حدیث مذکورہ میں اشارہ پایا جاتا ہے۔ ہشام بن عروہ نے اپنے والد کی سند پر نقل کیا ہے کہ مجھ سے حضرت عائشہ نے کہا: بھانجے! لوگوں کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے لیے استغفار چاہیں اور دعائے مغفرت کریں لیکن انھوں نے تو ان کو سب و شتم شروع کر دیا۔ شارحین حدیث کے مطابق اس حدیث میں اس آیہ کریمہ کی طرف اشارہ ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ (الحشر: ۱۰)

اوپر کی بحث میں ان تمام روایاتِ تفسیر اور احادیثِ تاویل و تشریح کا استقصا کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو صحاح کی کتاب التفسیر میں پائی جاتی ہیں۔ بعض اور روایات جو سرسری مطالعے سے دوسرے ابواب سے یا ثانوی مآخذ سے مل گئیں ان کو بھی شامل کر لیا گیا ہے۔ بشری کوشش کے نقص کے ساتھ ساتھ یہ اعترافِ قصور ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کافی تعداد میں ایسی روایات احادیث کے ذخیرہ کے دوسرے ابواب اور کتب میں بھی پائی جاتی ہیں جن کو بہ آسانی تفسیر کے مذکورہ بالا دائرے کے اندر لایا جاسکتا ہے لیکن وہ ایک وقت طلب کام ہے اور دوسری بحث چاہتا ہے۔ دوسرے یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ اس بحث میں بالعموم مفسرین کرام کی تفاسیری ذخیرے سے استفادہ نہیں کیا گیا ہے اور ان میں ازواجِ مطہرات سے مروی روایاتِ تفسیر کی تعداد یقیناً کافی ہے۔ اس پر بحث پھر کسی اور وقت کی جائے گی۔

آخری تجزیہ :

احادیث میں ازواجِ مطہرات کی تفسیری روایات کے مذکورہ بالا مباحث کا اگر تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ کمیت کے اعتبار سے ان کی روایات کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے۔ لیکن اس ضمن میں کچھ اور حقائق کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے۔ جیسا کہ پہلے کہا گیا کہ صحابہ کرام سے تفسیری روایات بہت کم مروی ہیں لہٰذا ان کے پسِ منظر میں ان کی عددی قدر و قیمت کا تعین کرنا چاہیے اور اس اعتبار سے یہ تعداد بھی معتد بہ تو ہے ہی۔ پھر یہ حقیقت بھی بہت اہم ہے کہ محدثین کرام نے اپنے روایتی اصولوں کے پیشِ نظر تفسیری روایات کا رد و قبول میں بھی بہت احتیاط و سختی برتی ہے یہی وجہ ہے کہ مسلم میں ایسی روایات کی تعداد سب سے کم ہے۔ صحیح بخاری میں ان کی تعداد کچھ زیادہ ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ امام موصوف نے کچھ نرمی یا تساہلی سے کام لیا ہے بلکہ انھوں نے اپنے طریقۂ روایت کے مطابق ذرا سی تفسیری مناسبت سے بھی دوسرے ابواب و کتب کی روایات اپنی کتاب التفسیر میں بھی لے لی ہیں جب کہ امام مسلم نے ایسا نہیں کیا۔ امام احمد اور امام ترمذی نے زیادہ توسع سے کام لیا ہے اس لیے ان کے ابوابِ تفسیر میں روایات کی تعداد شیخین کی روایات سے کہیں زیادہ ہے۔ لیکن

ان کی بیان کردہ روایاتِ تفسیر کی بعینہٖ کثرت کو روایات کی اسناد کی کم رعایت اور حقیقی تفسیر کی کمی پر محمول کرنا بھی صحیح نہیں کیونکہ اوپر کی بحث سے اندازہ ہو گیا ہے کہ اس کی روایات کسی نہ کسی شکل میں دوسرے بزرگانِ حدیث کے ہاں بھی پائی جاتی ہیں اور محض سند کی مفروضہ کم رعایتی کی بنا پر روایت کو مسترد کر دینے کا رجحان خطرناک نتائج پیدا کرتا ہے اور رہا حقیقی تفسیر کی کمی کا معاملہ تو وہ شیخین کے ہاں بھی پایا جاتا ہے بلکہ امام مسلم کے ہاں تو تفسیر حقیقی کا عنصر اور کم ہے۔ قلتِ روایات کا ایک اور سبب یہ ہے کہ تفسیری باب کتب احادیث کا محض ایک باب ہوتا ہے جو موضوع کے سبب اور مختصر ہو جاتا ہے اور اس پر محدثین کرام کی روایتی احتیاط مستزاد۔ پھر تفسیری کتب اور مجموعوں کی روایاتِ ازواجِ مطہرات کو اس بحث میں شامل نہیں کیا گیا ورنہ یقینی طور پر ان کی تعداد زیادہ ہوتی۔ ایک اور اہم حقیقت یہ بھی ہے کہ صحابہ کرام اور بالخصوص ازواجِ مطہرات کی یہ وہ روایات ہیں جو رواۃ اور اہلِ علم کے قبضۂ قلم اور اقتدارِ تحریر میں آگئیں۔ نہ جانے کتنی ایسی روایاتِ حدیث و تفسیر ہوں گی جو عام لوگوں نے سنی ہوں گی اور جو ایسے اہلِ علم نے حاصل کی ہوں گی جو روایت و نقل کے قائل نہ تھے اور جو بہت سے راویوں اور ناقلوں نے اخذ کی ہوں گی مگر وہ دستبردِ زمانہ کے تحت ہم تک نہیں پہنچیں۔ بہرحال یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ایک جہاں نے ازواجِ مطہرات سے جو ان کی مائیں تھیں استفادہ کیا ہوگا۔ ہر ایک ام المومنین سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت، اسلام کے اصول و ارکان و تعلیمات، اور قرآن مجید کے مقامات کے بارے میں طرح طرح کے سوالات کیے ہوں گے اور ان سے علم آمیز جوابات پائے ہوں گے۔ یہ دوسری بات ہے کہ کسی سے استفادہ زیادہ رہا ہوگا اور کسی سے کم۔ لیکن ازواجِ مطہرات سے رجوع عام رہا تھا کہ اولاد کو اپنی ماؤں سے محبت تھی اور اس سے زیادہ اپنے عظیم ترین اور محبوب ترین رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ کی ازواج مطہرات سے آپ کی اور آپ کے پیغام کی باتیں سننے کے لیے وہ ہر ایک کے پاس ازدہام کرتے تھے۔ اس حقیقت کے لیے کسی دستاویزی ثبوت یا تاریخی استناد کی ضرورت نہیں اگرچہ تلاش و تحقیق سے ان کی بھی کوئی کمی نہیں۔

دوسری اہم حقیقت جو عیاں ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ تمام ازواجِ مطہرات میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی کو جو علمی فضیلت اور کمالی تفوق حاصل تھا اس کا مظاہرہ تفسیری روایات کی کثرت میں بھی ہوا ہے۔ حضرت ام المومنین کے فضل و کمال پر کسی اور کی گواہی کی ضرورت نہیں کیونکہ صاحبِ نطق الٰہی اور حاملِ وحی ربانی

نے اپنی زبانِ صداقت بیان سے ان کے فضل و کمال اور برتری و بہتری کا ناقابل تردید ثبوت فراہم کر دیا ہے۔ ان کی انھیں خصوصیات و اوصاف، ذہانت و فطانت اور وہبی و اکتسابی لیاقت نے ان کو خاتم النبیین ؐ کے نزدیک دنیا کا سب سے زیادہ محبوب شخص بنا دیا تھا حتیٰ کہ افضل البشر بعد الانبیاء حضرت ابو بکر صدیق بھی محبوبیت نبوی کے دوسرے مقام پر آتے تھے۔ حضرت عائشہ کی ایک اہم اور امتیازی خوبی یہ تھی کہ وہ مزاج شناس رسول ہونے کے ساتھ ساتھ برابر سوالات و استفہامات کے ذریعہ اپنے علم میں اضافہ کرتی رہتی تھیں جبکہ اکثر دوسری ازواجِ مطہرات اپنے فطری علم و تقدس، فرمانبرداری اور خاطر نوازی وغیرہ کے سبب سوالات سے گریز کیا کرتی تھیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ کے بعد دوسرا مقام و مرتبہ اس ضمن میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نظر آتا ہے۔ بقیہ ازواجِ مطہرات میں اور کسی کا نام تفسیری روایات حدیث میں سوائے حضرت حفصہ کے اور کسی کا نظر نہیں آتا لیکن اس سے نقلِ روایات کی کمی ہی مراد لینی چاہیئے نہ کہ قلتِ علم اور قلتِ توجہ کے فیصلے صادر کرنے چاہیئے۔ اللہ معلوم نہ جانے کتنے اشخاص نے دوسری امہات المومنین سے استفادۂ علم حدیث و قرآن کیا ہوگا مگر وہ ہمارے علم و یقین کے حدود سے باہر رہ گیا۔ اس سلسلہ میں مختلف امہات المومنین کے شرفِ صحبتِ نبوی سے فیضیاب ہونے کی مدت کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے اور نہ ہی ان کی حیاتِ افادۂ عام کو۔ متعدد ازواج مطہرات کو یا تو یہ دونوں مدتیں کم نصیب ہوئیں یا ان میں سے کوئی ایک۔ حضرت عائشہ بہت خوش نصیب تھیں کہ ان کو دونوں مدتیں طویل ملیں اور دوسری ازواجِ مطہرات کے مقابلہ میں ان کو دوگنی مدتِ صحبتِ نبوی ملی کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی باری بھی ان کی خوش نصیبی کی جھولی میں آگری تھی۔ دوسرے عوامل میں سے ایک آخری یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ دوسری ازواج مطہرات کے موازنہ میں حضرت عائشہ صدیقہ ایک عوامی شخصیت اور امتِ مسلمہ قائدہ تھیں جبکہ دوسری تمام امہات المومنین نے مکاناتِ نبوی کی حدود میں زیادہ تر اپنے کو محصور و محدود کر رکھا تھا۔

موضوعاتی تجزیہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ روایاتِ تفسیر کا تعلق شانِ نزول سے ہے، کچھ کا قراءت و اختلاف قراءت سے ہے۔ بعض کا فضائل قرآن سے اور بعض اور کا تلاوت نبوی کے معمولات سے۔ بعض کا واقعات کے پس منظر میں قرآنی استشہاد سے۔ بہت کم روایات کو حقیقی تفسیر کے باب میں رکھا جا سکتا ہے۔ ایک مختصر تجزیہ اس بیان کو منقح کر دے گا۔

جن آیاتِ کریمہ کی تفسیر ازواجِ مطہرات کا تعلق خالص شانِ نزول سے ہے ان میں سورۂ بقرہ اور

سورہ نساء کے نزول سے متعلق اولین حدیث عائشہ ہے۔ اسی میں سورۂ آل عمران ع۷ کی تفسیری روایت عائشہ، سورہ نساء کی آیت ۱۲۷، سورۂ آل عمران ۱۹۵، سورۂ نساء کی آیت ۳۲ اور سورہ احزاب ۱۰۵ کی احادیثِ ام سلمہ، سورہ مائدہ ۳۴ کی آیت تیمم سے متعلق حدیث عائشہ، سورۂ فتح کی آیت ۱۲ اور سورۂ قمر ۴۶ سے متعلق روایات عائشہ، سورۂ عبس سے متعلق روایت صدیقہ، سورۂ علق کے نزول سے متعلق ان ہی کی طویل روایت، مکہ مدینہ میں قیام سے متعلق ان کی مختصر روایت، رویتِ جبریل کے بارے میں حضرت ام سلمہ کی روایت، مصحف صدیقہ کے بارے میں عراقی کے سوال سے متعلق روایت وغیرہ شامل ہیں۔

قرارت واختلاف قرارت کے ضمن میں جو روایات شامل ہیں وہ حسب ذیل ہیں: سورہ آل عمران ۱۴۲، سورۂ احزاب ۱۵، سورۂ ہود ۳۶ اور سورۂ واقعہ ۸۹ وغیرہ سے متعلق روایات ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ۔ فضائلِ قرآن اور معمولاتِ نبوی کے ضمن میں جو احادیث آتی ہیں وہ ہیں سورہ آل عمران کی آخری آیات کے بارے میں روایت، سورہ فتح ۲، سورۂ طور، سورۂ نصر، سورۂ فاتحہ، سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ زمر وغیرہ کے بارے میں روایات۔ واقعات کے پس منظر میں اور استشہاد کے طور مذکور ہونے والی تفسیری روایات میں سود کی حرمت سے متعلق سورہ بقرہ کی آخری آیات، سورۂ نساء ۱۲۷، سورۂ مائدہ ۱۰۳، سورۂ یوسف ۱۸، سورۂ مریم ۲۳، سورۂ عبس ۱۶-۱۵ اور سورۂ علق ۲ وغیرہ شامل کی جاسکتی ہیں۔

بہرحال قلتِ تعداد کے باوجود اچھی خاصی مرویاتِ ازواجِ مطہرات کو حقیقی تفسیر کے اصلی خانے میں رکھا جاسکتا ہے اور ان میں بعض بہت اہم ہیں۔ اتنی اہم کہ ان کے بغیر قرآن فہمی کا خاصا بڑا حصہ ناقص رہ جاتا۔ ایسی اصلی روایات میں سب سے پہلے تو سورہ بقرہ کی وہ مرویات عائشہ صدیقہ ہیں جنھوں نے صفا و مروہ کے سعی و طواف کو یکے از ارکانِ حج قرار دیا۔ ظاہر ہے کہ اس کے بغیر حج ناقص ہوتا۔ خانہ کعبہ کی تعمیر کے بارے میں اسی سورہ کی آیت ۱۲۷ کی بھی تفسیر ام المومنین بہت اہم ہے اور اسی طرح خانہ کعبہ کے قریب مقام ابراہیم سے متعلق ان کی ایک اور روایت۔ ارکانِ حج سے متعلق ان کی سب سے اہم تفسیری روایت سورہ البقرہ ۱۹۹ کی ہے کہ وقوفِ عرفات کے بغیر حج کی ادائیگی ہو ہی نہیں سکتی۔ اسی ذیل میں اس سورہ کی آیت ۲۱۴ کی ان کی تفسیری روایت ہے سورہ البقرہ ہی کی آیت ۲۳۸ میں نمازِ وسطی سے مراد نمازِ عصر بتانے والی روایت بھی بہت اہم ہے کہ ان کے سوا اور کسی نے اس کو اتنے زور و مضبوطی سے مرفوع نہیں کہا ہے۔ اور سورۂ بقرہ کی آخری

آیت ۱۸۶ کی جو تفسیر ان سے مروی ہے وہ بھی انسان کو اپنے اللہ سے تعلق و ربط استوار کرنے اور پاکیزہ زندگی گذارنے کے لیے بہترین تفسیر اور لائحۂ عمل فراہم کرتی ہے۔ اسی طرح اس سورہ کی آیت ۲۲۳ سے متعلق تفسیر ام سلمہ انسان کے تعلقاتِ زناشوئی کی صحیح راہ متعین کرتی اور غلط کاری کا سدباب کرتی ہے سورۂ نساء ۳ کی تفسیر عائشہ یتیم لڑکیوں اور ان کے ولیوں کے اسلامی تعلقات متعین کرتی اور ایک صحیح سماجی روایت قائم کرتی ہے۔ اسی طرح آیت ۱۲۸ کی تفسیر ام المومنین نہ صرف حیات نبوی کے ایک اہم باب پر روشنی ڈالتی ہے بلکہ دو یا دو سے زیادہ بیویوں کے حقوق کی اور میاں بیوی کے باہمی تعلقات کی حدبندی و تشریح بھی کرتی ہے۔ عورتوں کے بارے میں حضرت ام سلمہ کی روایات تفسیر شان نزول سے متعلق ہونے کے باوجود مرد و زن کے بارے میں صحیح اسلامی نقطۂ نظر کی عکاسی کرتی ہیں اور یہی بات آیتِ تیمم کے بارے میں روایت صدیقہ کے بارے میں کہی جا سکتی ہے۔ سورۂ مائدہ ۶۷ کی تفسیر عائشہ اگر ایک طرف تبلیغ نبوی کی حقیقت بیان کرتی ہے تو دوسری طرف ان گمراہ فرقوں اور بدعقیدہ طبقوں کی اس بہتان تراشی کی کاٹ کرتی ہے جو عصمتِ انبیاء پر اپنے خیالاتِ باطلہ اور افکارِ فاسدہ کے ذریعہ دانستہ یا نادانستہ حملے کرتے رہتے ہیں۔ جبکہ آیت ۸۹ کی تفسیر ام المومنین اپنے مسلمان بچوں اور بچیوں کی زندگی کو آسان بناتی ہے۔ اور آیت ۶۷ کی تفسیر حیاتِ نبوی اور ۱۰۳ کی روایت حکمِ الٰہی کی تشریح و تعبیر کرتی ہیں۔ سورۂ انعام ۱۰۳، سورۂ نمل ۶۵، سورۂ شوریٰ ۵۱، سورۂ نجم ۱۳، سورۂ تکویر ۲۳ کی آیات کریمہ کی تفاسیر آپ کی رویتِ الٰہی اور علمِ غیب کے بارے میں تمام شبہات کا قلع قمع کرتی ہیں۔ سورۂ اسراء کی آیت ۱۱۰ کی تفسیر تلاوتِ کلام پاک کا صحیح طریقہ بتاتی ہے جبکہ سورۂ انبیاء ۴۷ کی تفسیرِ ام المومنین ایک مسلم کو صحیح عادلانہ زندگی گذارنے کا اصول فراہم کرتی ہے۔ واقعۂ افک سے متعلق تمام آیات کی تفاسیر نہ صرف حیاتِ نبوی کے کئی اہم واقعات کو روشن کرتی ہیں بلکہ بعض اصولِ زندگی متعین کرتی ہیں۔ پردہ اور تخییر سے متعلق سورۂ نور ۳۱ اور سورۂ احزاب ۲۸ و ۵۳ اور سورۂ تحریم ۱-۵ کی تفاسیر انسانی معاشرت کے اہم قواعد و ضوابط پیش کرتی ہیں اور پاکیزہ زندگی گذارنے کی راہ بتاتی ہیں جبکہ ۵۱-۵۲ حیاتِ نبوی کی ازدواجی حیثیت کا ایک نیا زاویہ قائم کرتی ہیں اور ۵ تبنیٰ کے بارے میں اسلامی اصول بیان کرتی ہے۔ سورۂ احقاف ۱۷ کی تفسیر والدین کے حقوق اور اولاد کے فرائض بتاتی ہے اور آیت ۲۳ عذابِ الٰہی سے انسانِ غافل کو بیدار کرتی ہے اور سورۂ عبس ۱-۱۰ کی تفسیر کم پڑھے لکھے مسلمان کو

رحمتِ الٰہی کا مژدہ سناتی ہے اور قرآن کریم پڑھنے کا طریقہ بتاتی ہے۔ سورۂ علق کی تفسیر امّ المومنین وحیِ قرآنی کے نزول کی عقدہ کشائی کرتی ہے اور آخری سورتوں کی تفسیری روایات حیاتِ نبوی کے کئی باب روشن کرتی ہیں اور انسان کو اسوۂ نبوی سکھاتی ہیں۔ اسی طرح فضائل اور قراءات کے بارے میں روایات قرآن مجید کے کئی دوسرے گوشے اجاگر کرتی ہیں۔ مختصر یہ کہ ازواجِ مطہرات کی تفسیری روایات اپنی قلتِ تعداد کے باوجود کیفیت کے اعتبار سے بہت اہم ہیں اور وہ قرآن فہمی کی کلید فراہم کرتی ہیں۔ احادیث کے مجموعوں میں مذکور مرویات امہات المومنین کی بنا پر کوئی غلط رائے قائم نہیں کرنی چاہیے۔ وہ تو ان کی عظیم الشان اور وسیع قرآنی خدمات کا صرف ایک پہلو ہی پیش کرتی ہیں۔ سیرت و حدیث کی وہ روایاتِ ازواجِ مطہرات جو اس بحث میں قصورِ بشری کے سبب آنے سے رہ گئیں اور تفسیری مجموعوں کی وہ مرویات جن کا سرے سے جائزہ ہی لیا نہیں گیا اور دوسری کتب کی روایتیں جن کا حوالہ بھی نہیں دیا گیا وہ سب اگر جمع کر لی جائیں تو ازواجِ مطہرات کی قرآنی خدمات کا ایک منصفانہ اور صحیح جائزہ لیا جا سکے گا اور اللہ ہی اس کی توفیق ارزانی کرنے والا اور ہمارا ولی ہے۔



۳۵ ترمذی، ایضاً، ومن سورۃ الشعراء

نیز ملاحظہ ہو فتح الباری، ہشتم ص ۵۰۲ جنھوں نے بخاری کی اس روایتِ ابی ہریرہ کو مراسیلِ صحابہ میں شمار کر کے یہ دلیل دی ہے کہ حضرت ابوہریرہ مدینہ میں اسلام لائے جبکہ یہ واقعہ مکہ کا ہے اور حضرت ابن عباس اس وقت یا تو پیدا ہی نہ ہوئے تھے یا بچے تھے۔ حافظ ابن حجر نے سیرتِ نبوی کے اوائل میں انذارِ نبوی کے باب میں یہ بحث کی ہے کہ ممکن ہے کہ یہ واقعہ دوبارہ پیش آیا ہو کیونکہ طبرانی کی بیان کردہ روایت ابی امامہ میں یہ تصریح آئی ہے کہ جب یہ نازل ہوئی تو آپ نے اپنے اہل و ازواج اور بنو ہاشم کو جمع کر کے ان کو جہنم سے اپنی جانوں کو خریدنے اور اپنی گردنوں کو آزاد کرانے کی کوشش کرنے کی تبلیغ کی اور حضرت عائشہ، حضرات ام سلمہ وغیرہ کو مخاطب کیا۔ انھوں نے بعض اور روایات بھی بیان کی ہے۔

۳۶ بخاری، ایضاً، سورۃ الاحزاب، باب ۴ قولہ: قل لازواجک ان کنتن تردن الحیاۃ الدنیا الخ؛ باب ۵ قولہ: ان کنتن تردن اللہ ورسولہ والدار الآخرۃ۔ امام بخاری نے حضرت ابو سلمہ بن عبدالرحمن کی تعداد

کو ان عنوان الباب میں بیان کیا ہے۔ ان میں تھوڑا اختلاف ہے۔ اول الذکر حدیث مختصر ہے اس لیے ہم نے دوسرے باب کی حدیث لی ہے۔ اول الذکر میں متابعات کا بھی حوالہ نہیں ہے۔ نیز باب ۲۰۵ قولہ: ترجی من تشاء منھن وتؤوی الیک من تشاء الخ (حدیث ۱۸۹۰۹)۔

ترمذی، ایضاً، من سورۃ الاحزاب،

فتح الباری، ہشتم ص ۲۶۷ میں یہ بحث کافی مفصل ہے جس میں متعدد روایات کا ذکر ہے۔ ان میں یہ وضاحت بھی ہے کہ ازواج مطہرات نے آپ سے کن چیزوں کا مطالبہ کیا تھا اور آیت کریمہ کے نزول کا سبب و پس منظر کیا تھا۔ نیز ص ۲۷۲ ملاحظہ ہو۔

ساعاتی، الفتح الربانی، جلد ۱۸، ص ۲۳۶ باب یا ایھا النبی قل لازواجک الخ؛ باب انما یرید اللّٰہ لیذھب منکم الرجس اھل البیت۔ نیز ص ۲۴۲ باب ترجی من تشاء منھن الخ؛

۳۵ بخاری، ایضاً، سورۃ الاحزاب، باب ۲۰۶ قولہ: لا تدخلوا بیوت النبی الخ؛ باب ۲۰۷ قولہ: ان تبدوا شیئًا او تخفوہ الخ

فتح الباری، ہشتم ص ۲۷۳ مزید تفصیلی مباحث کے لیے ملاحظہ ہو۔ حضرت ابو القعیس کے بھائی حضرت افلح کے بارے میں وارد ہونے والی حضرت عائشہ کی حدیث پر مفصل کلام کتاب الرضاع میں کیا گیا ہے۔

۳۶ ترمذی، ایضاً، من سورۃ الاحزاب۔

بخاری، ایضاً، سورۃ الاحزاب، باب ۱۹۹ قولہ: ادعوھم لآبائھم: حدیث ابن عمر؛ باب ۲۰۴ قولہ: وتخفی فی نفسک ما اللّٰہ مبدیہ الخ: حدیث انس؛ نیز ملاحظہ ہو فتح الباری، ہشتم ص ۲۶۳ اور ص ۲۷۰–۲۷۳

ساعاتی، الفتح الربانی، جلد ۱۸، ص ۲۴۰

۳۹ ترمذی، ایضاً، ومن سورۃ الاحزاب۔

رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے لیے عورتوں کے حلال یا حرام ہونے کے لیے ملاحظہ ہو مترجم بدیع الزماں کا تبصرہ۔ جلد دوم ص ۵۳۷–۵۴۰۔

بخاری، کتاب المغازی، باب ۲۹۹ غزوۃ الخندق وھی الاحزاب (حدیث ۱۳۲۲)؛ مسلم، کتاب التفسیر، غزوۃ الخندق (حدیث ۱۴۰۵)

ساعاتی، الفتح الربانی، جلد ۱۸، ص ۲۴۲ باب لا یحل لک النساء من بعد؛ حضرت زینب سے

آپ کی شادی اور دوسرے امور متعلقہ کے لیے حضرت انس وغیرہ کی روایات کے لیے ملاحظہ ہو ص۲۲۵ باب یا ایھا الذین آمنوا لاتدخلوا الخ: اسی باب میں امام احمد نے حضرت عائشہ کی سند پر آیت حجاب کا نزول اور حضرت سودہ اور حضرت عمر کے درمیان ہونے والے مکالمہ سے متعلق تفسیری روایت بھی بیان کی ہے۔

۴۰؎ بخاری، ایضاً، سورۃ الاحقاف، باب ۴۴۳ قولہ: والذی قال لوالدیہ اف لکما الخ۔

فتح الباری، ہشتم ص۴۰۷-۴۰۶ نے مروان بن حکم کے خطبہ کے مزید الفاظ و عبارات اور حضرت عائشہ کی تردیدی کلمات و تنقیدات کا ذکر دوسری روایتوں کی بنیاد پر کیا ہے۔ آیت کریمہ کی مختلف شان ہائے نزول بھی بیان کی ہیں۔ ان میں سے بعض پر کلام کیا جا سکتا ہے جس کا یہاں موقع نہیں۔ لیکن یہ کہنا ضروری ہے کہ بعض روایات کتاب و سنت کی صریح مخالف ہیں جو شیعی اثرات کے بنا پر در آئی ہیں اور جن میں سے ایک کا حوالہ حافظ ابن حجر نے خود حضرت ابوبکر کے بارے میں دیا ہے۔ انھوں نے مقاتل بن سلیمان کی تفسیر کے حوالے سے کہا ہے کہ مفسر مذکور کو حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے بارے میں اس آیت کریمہ کے اترنے کا جزم و یقین تھا اور اسی طرح انھوں نے بیان کیا ہے۔

۴۱؎ بخاری، ایضاً، باب قولہ: فلما راوہ عارضا مستقبل اودیتھم الخ

فتح الباری، ہشتم ص۴۰۸ نے امام مسلم کی بھی ایک روایت اور دوسرے شواہد کا بھی ذکر کیا ہے۔

۴۲؎ ترمذی، ایضاً، ومن سورۃ الاحقاف۔

فتح الباری، ہشتم ص۴۰۹ نے ترمذی کی اس روایت کا ذکر نہیں کیا ہے۔

ساعاتی، الفتح الربانی، جلد ۱۸، ص۲۷۱ باب فلما راوہ عارضا الخ

۴۳؎ بخاری، ایضاً، سورۃ الفتح، باب ۴۵۵ قولہ: لیغفرلک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر الخ۔

فتح الباری، ہشتم ص۴۱۳ نے رکوع سے قبل آپ کے کھڑے ہو کر پڑھنے اور پھر رکوع کرنے کی کئی روایات کی بنا پر تصریح کی ہے کہ آپ تیس چالیس آیات کے بقدر پہلے کھڑے ہو جاتے تھے اور ان کو کھڑے ہو کر پڑھتے اور پھر رکوع کرتے۔ ان میں سے دو روایات حضرت عائشہ سے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن اور عمرہ نے نقل کی ہیں اور مسلم نے ایک عبداللہ بن شقیق سے۔

۴۴؎ بخاری، ایضاً، سورۃ الطور، باب ۴۵۹ قولہ: والطور۔ امام احمد و امام ترمذی کے ہاں مذکورہ سورتوں کی

تفسیر ملاحظہ ہو۔

فتح الباری، ہشتم ص ۴۲۳ نے یہ تاویل کی ہے کہ حضرت ام سلمہ اتنی ضعیفہ (کمزور) تھیں کہ پیدل چل کر طواف نہیں کر سکتی تھیں اور اس کی شرح کتاب الحج میں بیان کی ہے۔

۴۵ بخاری، ایضاً، سورۃ النجم، باب ۸۴۰ (والنجم) حدیث ۱۹۶۳ اور حدیث ۱۹۶۴-۱۹۶۵ حدیث عبداللہ بن مسعود۔ ص ۱۹۶۶ حدیث ابن مسعود میں ہے آپ نے سبز رفرف کو دیکھا تھا جس نے افق کو ڈھانپ رکھا تھا۔ یہ تفسیر لقد رای من آیات ربہ الکبری کی بیان ہوئی ہے علقمہ کے واسطے سے۔

امام ترمذی، ایضاً، سورۃ النجم۔ علماء کی رویت باری تعالیٰ کے بارے میں بحث مترجم مولانا وحید الزماں کے تبصرہ پر مبنی ہے۔

فتح الباری، ہشتم ص ۴۲۳-۴۲۹ نے ترمذی کی روایت کے تفصیلی قصہ کے حوالے سے اس پر کافی مدلل کلام کیا ہے انھوں نے حضرت عائشہ کی حدیث میں عدم رویت الٰہی کے دلائل فراہم کیے ہیں اور مخالف نقطۂ نظر رکھنے والے صحابہ کا خیال بھی پیش کیا ہے۔ ساعاتی، الفتح الربانی، جلد ۱۸، ص ۲۸۹ باب وھو بالافق الاعلیٰ

۴۶ بخاری، ایضاً، باب ۸۴۲ ومناۃ الثالثۃ الاخری

فتح الباری، ہشتم ص ۴۳۲ میں مختصر حوالہ ہے۔

۴۷ بخاری، ایضاً، سورۃ القمر، باب ۸۴۹ سیھزم الجمع ویولون الدبر

فتح الباری، ہشتم ص ۴۳۵۔ حضرت ابن عباس کی اسی آیت سے متعلق روایت کو بوجوہ معلوم مرسلاتِ ابن عباس میں سے قرار دیا ہے۔

۴۸ بخاری، ایضاً، سورۃ الممتحنہ، باب ۸۸۳ اذا جاءکم المومنات مھاجرات؛ ترمذی، ایضاً، سورۃ الممتحنہ

فتح الباری، ہشتم ص ۵۰-۴۴۹ نے متعدد روایات دی ہیں اور بیعتِ نبوی کا طریقہ بتایا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو ص ۴۵۱-۴۵۲

ساعاتی، الفتح الربانی جلد ۱۸، ص ۲۹۳ باب فیومئذ لا یسئل عن ذنبہ انس ولا جان الخ؛ ص ۳۰۲-۳۰۳ باب یا ایھا النبی اذا جاءک المومنات الخ

۴۹ بخاری، ایضاً، سورۃ التحریم، باب ۹۰۰ سورۃ التحریم؛ باب ۹۰۱ تبتغی مرضاۃ ازواجک؛ باب ۹۰۲ واذ اسر النبی الی بعض ازواجہ؛ باب ۹۰۳ ان تتوبا الی اللہ فقد صغت قلوبکما الخ

ترمذی، ایضاً، ومن سورۃ التحریم۔ سورۂ تحریم میں امام ترمذی کے ہاں یہی واحد تفسیری روایت ہے جو حسن صحیح غریب ہے۔

فتح الباری، ہشتم ص۶۴۳-۶۶۳ نے کئی روایات کی بنا پر بحث کرنے کے بعد مفصل و مدلل کلام کے لیے کتاب الطلاق میں اپنی بحث سے رجوع کرنے کا حوالہ دیا ہے اور حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ کے "مظاہرہ" کے لیے کتاب النکاح کا حوالہ دیا ہے۔

ساعاتی، الفتح الربانی، جلد ۱۸، ص۳۳۸-۳۳۹ باب یاایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک۔ امام احمد نے بھی حضرت ابن عباس کی مفصل روایت مذکورہ بالا نقل کی ہے۔

۵۰ بخاری، ایضاً، باب ۹۳۴ عبس۔ نیز دوسری سورتوں کے ابواب بھی ملاحظہ ہوں۔

ترمذی، ایضاً، ومن سورۃ عبس۔

فتح الباری، ہشتم ص۶۹۱-۶۹۲ نے ترمذی، حاکم، ابن حبان، عبدالرزاق، ابن مردویہ وغیرہ کی روایات کی بنا پر اس سورہ کی شان نزول بیان کی ہے اور اس میں کئی روایاتِ عائشہ کا ذکر ہے۔

۵۱ بخاری، ایضاً، باب ۹۳۱ اذالسماء انشقت؛ ترمذی، ایضاً، ومن سورۃ اذا السماء انشقت۔

فتح الباری، ہشتم ص۶۹۳ نے تین اسانید سے حدیثِ متعلقہ کے مروی ہونے اور ان کے متون کے مختلف ہونے کا ذکر کیا ہے اور اس کے ساتھ کتاب الرقاق اور کتاب العلم میں مزید بحث سے رجوع کا حوالہ موجود ہے۔

ساعاتی، الفتح الربانی، جلد ۱۸، ص۳۲۲ باب فسوف یحاسب حسابا یسیرا۔

۵۲ بخاری، ایضاً، باب ۹۴۸ اقرا باسم ربک الذی خلق (طویل حدیث ۲۰۶۴)؛ باب ۹۴۹ خلق الانسان من علق (حدیث ۲۰۶۵-۲۰۶۶)

فتح الباری، ہشتم ص۵۰۱-۵۰۵ نے اس پر بہت مفصل بحث کی ہے۔

الساعاتی، الفتح الربانی، جلد ۱۸، ص۳۲۷ باب اول ما نزل من القرآن۔

۵۳ بخاری، ایضاً، باب ۹۶۲ انا اعطینک الکوثر

فتح الباری، ہشتم ص۵۱۵

ساعاتی، الفتح الربانی، جلد ۱۸، ص۳۳۸ باب تفسیرھا وصفۃ الکوثر

۵۴ بخاری، ایضاً، باب ۹۶۴ اذا جاء نصر اللہ (حدیث ۲۰۷۶-۲۰۷۷)؛ ساعاتی، الفتح الربانی، جلد ۱۸، ص۳۴۱

باب ما جاء فی فضلها و تسبیح النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد نزولها۔

فتح الباری، ہشتم ص۵۵۹ نے ابن مردویہ کی ایک اور روایت ام المومنین کا ذکر کیا ہے جس میں کچھ اضافے ہیں :
میری امت میں ایک علامت ہے اسے جب میں دیکھوں تو میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ سبحان اللہ وبحمدہ واستغفر اللہ واتوب الیہ زیادہ پڑھا کروں۔ بلاشبہ میں نے اللہ کی مدد اور فتح مکہ دیکھ لی ہے اور لوگوں کو اللہ کے دین میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا ہے۔ اس کے بعد ابن القیم کی زاد المعاد کا بھی ایک حوالہ آپ کے استغفار کے لیے دیا ہے۔

۵۵ ترمذی، ایضا، ومن سورۃ المعوذتین۔ ساعاتی، الفتح الربانی، جلد ۱۸، ص۳۵۳ باب ما جاء فی فضلها وتفسیرها۔

دوسری احادیث جن میں ام المومنین کی روایات کا حوالہ و ذکر نہیں ہے انھیں کے ابواب کے تحت امام احمد، امام بخاری اور امام ترمذی کے ہاں ملاحظہ ہوں۔

فتح الباری، ہشتم ص۵۲۴ اور ص۵۲۳ پر دونوں سورتوں کے لیے الگ الگ فصل قائم کی ہے۔ سورۂ فلق کے ضمن میں حضرت عائشہ کی روایت ترمذی اور حاکم کے حوالہ سے نقل کی ہے جبکہ آخری سورہ کے ضمن میں ام المومنین سے کوئی روایت نہیں ملی ہے۔

نیز ملاحظہ ہو ص۵۲۶ جہاں حافظ موصوف نے کتاب التفسیر کی کل احادیث مرفوعہ اور احادیث احکام کی تعداد کا ذکر کیا ہے۔ ان سے اہم ان کا مختلف احادیث کا تجزیہ ہے۔

۵۶ بخاری، فضائل القرآن، باب ۹۴۳ کیف نزول الوحی الخ

فتح الباری، نہم ص

۵۷ بخاری، ایضا، باب ۹۴۵ جمع القرآن

۵۸ بخاری، ایضا، باب ۹۴۶ تالیف القرآن

۵۹ بخاری، ایضا، باب ۹۴۷ کان جبریل یعرض القرآن علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۶۰ ترمذی، ابواب فضائل القرآن، باب ما جاء فی فضل قاری القرآن۔

احمد عبد الرحمن البنا الساعاتی، الفتح الربانی لترتیب مسند الامام احمد بن حنبل الشیبانی، قاہرہ ۱۳۷۵ھ جلد ۱۸ کتاب فضائل القرآن وتفسیرہ واسباب نزولہ، باب فضل قراءۃ القرآن والتدبر بہ والعمل بما فیہ ص۱۳

۴۱ ترمذی ایضا، باب ماجاء فی من قرأ حرفا من القرآن ماله من الاجر۔

الساعاتی، الفتح الربانی، باب ما جاء فی فضل القرآن والاعتصام به۔ جلد ۱۸، ص ۶

۴۲ ترمذی، ایضا، باب ماجاء کیف کانت قراءۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم؛ ابواب القراءات عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الساعاتی، الفتح الربانی، ج ۱۸، ص ۱۰، باب ماجاء فی ترتیل القراءۃ وقراءۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم و مکّیۃ

باب ماجاء فی البسملۃ قبل القراءۃ وفضلہا۔

امام ترمذی نے مذکورہ بالا روایت کو حدیث غریب کہا ہے اور اس کی اسناد پر کلام کیا ہے مگر امام احمد کی روایات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ موخرالذکر میں فرق یہ ہے کہ ترتیل کے لفظ و معنی کے لیے کوئی لفظ نہیں ہے بس آخر میں راوی نے ترتیل کا ذکر کر کے وضاحت کی ہے اور دوسرے یہ کہ امام احمد کی روایت میں مالک یوم الدین کی آیت کا حوالہ نہیں ہے جبکہ دوسرے باب میں امام احمد نے یہی روایت حضرت ام سلمہ سے مذکورہ بالا حدیث کے مطابق بیان کی ہے مگر اس اضافہ کے ساتھ کہ اس میں سورہ فاتحہ کی تین آیات کریمہ سے پہلے بسملہ کا بھی ذکر ہے۔

۴۳ بخاری، جامع صحیح، کتاب التفسیر، باب ۵۹ انزل القرآن علی سبعۃ احرف۔ حدیث ۲۰۱۹: ابن عباس، نزول قرآن برسبعہ احرف۔ حدیث ۲۰۱۱: مسور بن مخرمہ و عبدالرحمن بن عبدالقاری کی روایت: سورۂ فرقان کے بارے میں قرأت عمر بن خطاب اور قرارت ہشام بن حکیم کا اختلاف، دونوں میں نزاع، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مراجعت، دونوں قراءتوں کی تصدیق و تعلیم نبوی۔

حدیث ۲۱۱۳: ابن عباس: حضرت ابی بن کعب سب سے بڑے قاری ہیں لیکن ہم ان کی بعض قرارت (لحن) کو چھوڑ دیتے ہیں۔ حضرت ابی فرماتے ہیں کہ میں نے اسکو رسول اکرم کی زبان مبارک سے سنا اور حاصل کیا ہے تو میں اسے کسی شے کے لیے نہیں چھوڑوں گا۔ اس کے بعد انھوں نے آیت تلاوت کی ماننسخ من آیۃ او ننسہا نات بخیر منہا او مثلہا۔ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں امام بخاری نے بھی یہ روایت ابی بن کعب نقل کی ہے ملاحظہ ہو: باب قولہ ماننسخ من آیۃ الخ؛ فتح الباری، ہشتم ص ۱۸۱

ترمذی، ابواب القراءت، باب ماجاء ان القرآن انزل علی سبعۃ احرف: حدیث ابی بن کعب: حضرت جبریل سے رسول اللہ کی اپنی امی امت کے بارے میں وضاحت کی کہ وہ کتاب پڑھنا نہیں جانتی۔ ان کا جواب کہ قرآن سبعۃ احرف (سات حروف) پر نازل کیا گیا ہے۔

۲۔ مسعد بن مخرمہ اور عبدالرحمٰن بن عبدالقادر کی مذکورہ بالا بخاری کی روایت۔

۳۔ امام ترمذی نے اول حدیث کے خاتمہ میں وضاحت کی کہ اس باب میں حضرات عمرؓ، حذیفہ بن الیمان، ابو سرحؓ، ام ابوایوب، سمرہ بن جندب، ابن عباس، ابوجہم بن حارث اور ابی بن کعب سے بھی روایت کی گئی ہے۔

۶۴؎ ترمذی، ایضاً، ابواب القراءات۔

ساعاتی، الفتح الربانی جلد ۱۸، ص ۱۷۸ باب قال یا نوح إنہ لیس من اھلک الخ

۶۵؎ ترمذی، ایضاً۔ ساعاتی، الفتح الربانی، جلد ۱۸، ص ۲۹۶ باب فروح وریحان۔

۶۶؎ مسلم، جامع صحیح، کتاب التفسیر، حدیث ۳۰۱۲۔ اردو ترجمہ از سید رئیس احمد جعفری ندوی، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۵۸ء، دوم ص ۲۵۰، کے اپنے حاشیہ ص ۱۶ میں قاضی عیاض کی رائے گرامی اس حدیث عائشہ کے وقت کے بارے میں اور مذکورہ آیت قرآنی کے بارے میں حوالہ تو دیتے ہیں لیکن آیت کریمہ چھوڑ دیتے ہیں اور اسی طرح امام مالک کا فتویٰ سب صحابہ کے بارے میں بھی بیاض کی نذر ہو گیا ہے۔

ششماہی علوم القرآن، علی گڑھ ۶/ ۱و۲، جنوری - دسمبر ۱۹۹۱ء

قرآن معیارِ ہدایت

محمد مسعود عالم قاسمی

جب سے انسان اس دنیا میں آیا ہے اُس وقت سے اب تک آسمانی ہدایت کا سلسلہ جاری ہے۔ ہدایت آسمانی کا وعدہ ازل ہی میں اللہ تعالیٰ نے کیا تھا اور اس ہدایت کی پیروی کا انسان سے عہد لیا تھا۔

فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۔ (البقرۃ ۔ ۳۸)

"جب تمھارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو جنھوں نے میری ہدایت کی پیروی کی اُن کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غم ناک ہوں گے"

ابتدا میں انسان اس ہدایت کا پابند تھا۔ چنانچہ پہلا انسان روئے زمین پر اللہ کا پہلا نبی تھا۔ اس نبی کی آل و اولاد اسی ہدایت کی پیروکار رہی، پھر شیطانی اور نفسانی گمراہیوں کا شکار ہو کر مختلف راستوں میں بھٹک گئی اور سررشتہ اتحاد کو چھوڑ کر مختلف گروہوں میں بٹ گئی۔ اس طرح اختلاف کا دائرہ وسیع ہو کر لوگوں کی فکری اور مذہبی گروہ بندیوں میں تبدیل ہو گیا۔ لیکن آسمانی ہدایت بدستور حالات اور مقامات کے اختلاف کے باوجود انسانوں کو مخاطب کرتی رہی، ان کو بھولا سبق یاد دلاتی رہی اور اسی نقطہ اتحاد کی طرف بلاتی رہی۔ اس نقطہ اتحاد پر لانے کے لیے انبیاء و رسل بھیجے گئے۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ (البقرہ ۔ ۲۱۳)

"ابتدا میں سب لوگ ایک ہی اُمّت تھے (پھر اختلاف رونما ہوا) تب اللہ نے نبی

بھیجے جو راست روی پر بشارت دینے والے اور کجروی کے نتائج سے ڈرانے والے
تھے تاکہ حق کے بارے میں لوگوں کے درمیان جو اختلاف رونما ہو گئے تھے اُن کا
فیصلہ کرے۔"

یہ وحدت عالم ہست و بود کی روح اور جان ہے جو وحدت انسان، وحدت الٰہ، وحدت کائنات، وحدت دین (نہ کہ وحدت ادیان) کی شکل میں اسلامی عقیدے کا معقول، متوازن اور لازمی عنصر ہے۔ قرآن وحدت انسان کے نظریہ کا اس دور میں پہلا داعی اور مبلغ ہے۔ اختلاف میں بٹ جانے کے بعد جن لوگوں نے آسمانی ہدایت کو قبول کیا اور بنی آدم کا ایک اکائی ہونا مان لیا وہ اس وحدت کے نمائندے بن گئے اور جن لوگوں نے اس معقول نظریہ کو ماننے سے انکار کیا وہ اس وحدت سے خود بخود الگ ہو گئے۔ یہی مطلب ہے اس آیت کا

إِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ (الانبیاء:۹۲)

(یہ تمہاری اُمت حقیقت میں ایک ہی اُمت ہے اور میں تمہارا رب ہوں پس تم
میری عبادت کرو)۔

اسی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا:

"الکفر ملة واحدة والاسلام ملة واحدة" (کفر ایک ملت ہے اور اسلام ایک ملت)

اس وحدت انسانی کی بنیاد وحدت الٰہ ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ
لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (الحجرات: ۱۳)

(لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں
بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے
زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے)۔

قوموں اور گروہوں میں سر رشتہ اتحاد خدا کی معرفت، خدا پر ایمان اور خدا سے خوف ہے۔
اس کائنات میں یک رنگی اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے، کائنات کے گوناگوں مظاہر اور نت نئے ظواہر میں
ایک خاص قسم کی یکسانیت ہے، اختلاف کے اندرون میں ایک مخفی اتحاد موجزن ہے، اختلاف لیل ونہار

اختلاف موسم، اختلاف اوقات، اختلاف بحر و بر، اختلاف حیوانات، اختلاف صور و اوضاع، اختلاف نباتات، اختلاف جمادات کی تہہ میں اتریئے تو حیرتناک سررشتۂ اتحاد نظر آئے گا۔ کائنات کی ہر شئے کا دوسری شئے سے ربط و تعلق ہے، یہ ربط کہیں جلی اور کہیں خفی ہے، نہ کوئی شئے بے فائدہ ہے اور نہ کسی شئے میں کوئی نقص و بگاڑ ہے، بلکہ کائنات کی ہر شے اپنی جگہ شاہکار ہے، ربط و نظام اور وحدت کی پکار ہے۔

مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ
ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ (الملک ۳-۴)

(تم رحمان کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطی نہ پاؤ گے، پھر پلٹ کر دیکھو کہیں تمہیں کوئی خلل نظر آتا ہے، بار بار نگاہ دوڑاؤ، تمہاری نگاہ تھک کر نامراد پلٹ آئے گی)

اس وحدت کی وجہ یہ ہے کہ خدائے وحدہٗ لاشریک نے اس کائنات کو وجود عطا کیا ہے، وہی اس کے انتظام و اہتمام کا سزاوار ہے، اسی کے دستِ قدرت میں اس کی زمامِ اقتدار ہے اور یہ کائنات اس کے وجود کا حصہ نہ ہو کر بھی جلوۂ صد رنگ ہے۔

اگر دو یا چند خدا اس میں شریک ہوتے تو لازماً یہ ربط و نظم ختم ہو جاتا، حسنِ ترتیب بگڑ جاتا اور فساد برپا ہو جاتا۔

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (الانبیاء-۲۱)

(اگر آسمان و زمین میں ایک اللہ کے سوا دوسرے خدا بھی ہوتے تو زمین اور آسمان کا نظام بگڑ جاتا)۔

چنانچہ کائنات کی ہر شئے نظم و ربط کے ساتھ وحدتِ الٰہ کی بھی پکار ہے۔

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً
فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا
شَجَرَهَا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ۝ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ
قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ
حَاجِزًا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (النمل - ۶۰ - ۶۱)

(بھلا وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمہارے لیے آسمان سے
پانی برسایا، پھر اس کے ذریعے وہ خوشنما باغ اگائے جن کا اگانا تمہارے بس میں نہ
تھا، کیا اللہ کے سوا دوسرا خدا بھی ہے؟ (نہیں) بلکہ یہی لوگ راہِ راست سے ہٹ
کر چلے جا رہے ہیں۔ اور وہ کون ہے جس نے زمین کو جائے قرار بنایا اور اس کے اندر
دریا رواں کیے اور اس میں (پہاڑ) میخیں گاڑ دیں اور پانی کے دو ذخیروں کے
درمیان پردے حائل کر دیے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی ہے؟ (نہیں) بلکہ
ان میں سے اکثر لوگ نادان ہیں)۔

ان تمام سوالوں کا جواب اسی وقت ممکن ہے جب کہ انسان خدا کو اکیلا اور تنہا تسلیم کرے اور
ظاہر ہے کہ جب خدا ایک ہے تو اس کی رضا تک پہنچنے والا راستہ بھی لازماً ایک ہوگا، اس کا ایک
ہی پیغام ہوگا، ایک ہی مطالبہ ہوگا اور ایک مقصد کی طرف بلائے گا۔ یہ پیغام، یہ مقصد، یہ مطالبہ ہر
دور میں اللہ کے منتخب بندوں کے ذریعہ انسان کے سامنے پیش ہوتا رہا اور اسی کا نام اسلام ہے۔

زمین پر آباد ہونے کی ابتدائی منزلوں میں انسان لکھنا پڑھنا نہ جانتا تھا، ابلاغ و ترسیل کا سارا
نظام اشارات اور زبان کی گویائی پر منحصر تھا، اس لیے اس زمانہ میں آسمانی ہدایت بھی لسانِ نبوت پر طاری
ہو کر انسانوں کی رہنمائی کا ذریعہ بنتی تھی۔ چنانچہ آدمؑ و نوحؑ جیسے انبیاء کی دعوت تمام تر زبانی تبلیغ پر مشتمل
تھی اور ان کے پاس کوئی آسمانی نوشتہ نہ تھا۔ مگر جب انسان لکھنے اور پڑھنے کے فن سے واقف
ہو گیا اور دل مراد کے اظہار کے لیے قلم کا سہارا لینے لگا تو آسمانی ہدایت بھی تحریری شکل میں آنے لگی۔ چنانچہ
اب تک تاریخی ریکارڈ کے مطابق انسان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد تک لکھنے پڑھنے کے
فن سے آگاہ ہو چکا تھا اس لیے سب سے پہلا آسمانی نوشتہ حضرت ابراہیمؑ پر نازل ہوا جسے قرآن
اولین صحیفوں میں شمار کرتا ہے۔

إِنَّ هَٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ (الاعلیٰ ۱۸-۱۹)

(یہی بات پہلے آئے ہوئے صحیفوں میں بھی کہی گئی تھی، ابراہیمؑ اور موسیٰؑ کے صحیفوں میں)

پھر آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک متعدد صحیفے نازل ہوئے، قرآن، توریت، زبور، انجیل کا نہ
صرف اعتراف کرتا ہے بلکہ بار بار ان کا تذکرہ کرتا ہے اور ان کے مشتملات سے بحث کرتا ہے، چونکہ

یہ ساری کتابیں اللہ کی نازل کردہ ہیں اور انسانوں کی ہدایت کا ذریعہ ہیں۔ اس لیے قرآن ان کی حاجی حیثیت کے ایقان کا شعور بھی پیدا کرتا ہے۔ ان کتابوں سے متعلق قرآن کریم کا رویہ حسب ذیل چار نکات پر مشتمل ہے۔

(۱) **تصدیق**: قرآن سب سے پہلے ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور ان کے منزل من اللہ ہونے کی حیثیت کا اعتراف کرتا ہے۔ ارشاد ہے۔

وَالَّذِیْ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ مِنَ الْکِتَابِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ (فاطر۔ ۳۱)

(جو کتاب ہم نے تمھاری طرف وحی کے ذریعہ بھیجی ہے وہی حق ہے، تصدیق کرتی ہوئی آئی ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے آئی تھیں)۔

(۲) **تنقید**: چونکہ ان کتابوں کے ماننے والوں نے ان میں تحریف و ترمیم کی اور اپنے خیالات و مفادات کے مطابق ان کو خرد و برد کا نشانہ بنایا۔ اس لیے قرآن ان کتابوں میں کی گئی انسانی حرکات پر تنقید کرتا ہے۔ ارشاد ہے:

فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ یَکْتُبُوْنَ الْکِتَابَ بِاَیْدِیْهِمْ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِیَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا (البقرہ ۷۹)

(ہلاکت اور تباہی ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے شرع کا نوشتہ لکھتے ہیں، پھر لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے آیا ہوا ہے تاکہ اس کے معاوضہ میں تھوڑا سا فائدہ حاصل کر لیں)۔

یَآ اَهْلَ الْکِتٰبِ قَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَکُمْ کَثِیْرًا مِّمَّا کُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْکِتَابِ (المائدہ۔ ۱۵)

(اے اہل کتاب ہمارا رسول تمھارے پاس آگیا ہے جو کتاب الٰہی کی بہت سی ان باتوں کو تمھارے سامنے کھول رہا ہے جن کو تم چھپاتے تھے)

وَقَدْ کَانَ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَسْمَعُوْنَ کَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ۔ (البقرہ۔ ۷۵)

(ان میں سے ایک گروہ کا شیوہ یہ رہا ہے کہ اللہ کا کلام سنتے اور پھر خوب سمجھ بوجھ کر دانستہ اس میں تحریف کر دیتے)

۲۔ تنسیخ : یہ کتابیں ایک خاص دور اور مخصوص قوم یا اقوام کی رہنمائی کے لیے نازل کی گئی تھیں، اس لیے ان کی تشریعی حیثیت محدود اور موقت تھی، قرآن چونکہ ہر قوم اور ہر زمانہ کے لیے نازل ہوا ہے اور اس کے بعد سابقہ کتابوں کی ضرورت نہ رہی اس لیے ان کتابوں کو قرآن منسوخ کرتا ہے۔ ارشاد باری ہے :

وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ (آل عمران۔۴)

(اور اسی نے توریت اور انجیل نازل کی اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لیے)

۴۔ تکمیل : پچھلی آسمانی کتابیں محدود زمانہ اور قوم کو مخاطب کرنے کے لیے اتاری گئی تھیں اس لیے ان میں ہدایت اور شریعت کا مواد بھی اسی کے مطابق عطا کیا گیا تھا۔ قرآن کریم ان کتابوں کی اصلی اور جوہری تعلیمات کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہر زمانہ اور ہر قوم کو مخاطب کرنے کے لیے ابدی شریعت کا تفصیلی و تکمیلی فریضہ انجام دیتا ہے۔ قرآن ان کتابوں کی تعلیم ہدایت و سعادت کا واحد امین ہے اور ان کی معرفت کا واحد معتبر ذریعہ بھی۔ گویا قرآن آسمانی کتابوں کا تکمیلی ایڈیشن ہے۔
حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ القرآن امین علی کل کتاب قبلہ۔ ارشاد باری ہے :

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدہ۔۳)

(آج میں نے تمھارے دین کو تمھارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمھارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے)

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ (المائدہ:۴۸)

(پھر اے نبیؐ تمھاری طرف یہ کتاب بھیجی جو حق لے کر آئی ہے اور الکتاب میں سے جو کچھ اس کے سامنے موجود ہے اس کی تصدیق کرتی ہے اور اس کی محافظ و نگران ہے)

ان کتابوں کے علاوہ کچھ اور بھی مذہبی کتابیں ہیں جن کو ان کو ماننے والے الہامی کتاب قرار دیتے

ہیں۔ مثلاً ہندوستان میں ویدوں کا مقام، زرتشتیوں میں اوستا اور بالخصوص گاتھا کا مقام نہایت اہم اور مقدس ہے۔ مگر چونکہ قرآن میں ان کتابوں کا کوئی تذکرہ نہیں ہے اور نہ کسی قسم کا کوئی اشارہ ملتا ہے جس سے یہ سمجھا جائے کہ یہ آسمانی کتابیں ہیں البتہ اجمالاً اتنا کہا گیا۔ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ (الشعراء۔ ۱۹۶) (اور یہ تعلیم اگلے لوگوں کی کتابوں میں بھی موجود ہے) اس لیے ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ یہ اللہ کی نازل کردہ ہیں یا نہیں۔ قرآن کے اعتراف کے مطابق ہر قوم میں اللہ کا پیغامبر آیا ہے: وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (فاطر۔ ۲۴) (اور کوئی امت ایسی نہیں گذری جس میں کوئی متنبہ کرنے والا نہ آیا ہو۔

اس اعتراف اور اعلان کی رو سے کوئی مستبعد نہیں کہ ان قوموں میں صحیفے بھی نازل کیے گئے ہوں اس لیے ہندوستان، ایران اور چین میں بھی آسمانی کتابوں کا نازل ہونا خارج از امکان نہیں قرار دیا جا سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کتابیں جن کو اہلِ مذاہب آسمانی کہتے ہیں اصلاً آسمانی ہی رہی ہوں، بعد میں توریت وانجیل کی طرح تحریف و ترمیم کا شکار ہو کر ان کی تعلیمات مشرکانہ رنگ و آہنگ اختیار کر گئی ہوں بالخصوص اس صورتِ حال میں جب کہ ان کتابوں میں بعض اہلِ علم کی تحقیق کے مطابق نبی آخرالزماں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیشین گوئیاں ملتی ہیں۔ ان کے آسمانی ہونے کا امکان اور قوی ہو جاتا ہے، تاہم قرآن وحدیث میں ان کا تذکرہ نہ ہونے کی بنا پر توریت، زبور اور انجیل کی طرح حتمی طور پر ہم ان کو آسمانی صحیفہ ہدایت نہیں سمجھتے۔

مذکورہ آسمانی کتابوں کے بارے میں جب قرآن کا اعتراف ہے کہ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا (آل عمران۔ ۷) (سب ہمارے رب کی طرف سے ہے) تو ان تمام کتابوں پر بھی ایمان لانا ضروری ہے، چنانچہ ایک مسلمان کے لیے نہ صرف یہ کافی ہے کہ وہ قرآنِ کریم پر ایمان لائے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ سابقہ آسمانی کتابوں کے الہامی ہونے پر فی الجملہ ایمان لائے بلکہ قرآن پر ایمان لانا بجائے خود ان کتابوں کی الہامی حیثیت پر یقین کرنا ہے۔ چنانچہ ان کتابوں کے نازل کرنے والے کا اپنے بندوں سے مطالبہ یہ ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ (النساء۔ ۱۳۶)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اللہ نے اپنے

رسول پر نازل کی ہے اور ہر اس کتاب پر ایمان لاؤ جو اس سے پہلے نازل کر چکا ہے)

دوسری طرف یہی مطالبہ سابقہ آسمانی کتابوں کے حاملین سے بھی کیا گیا ہے کہ یہ سب کتابیں جب ایک ہی سلسلے کی کڑیاں ہیں تو بلا امتیاز ان سب پر ایمان لانا ضروری ہے ان میں سے بعض پر ایمان لانا اور بعض کا انکار کرنا درحقیقت ان تمام کتابوں کا انکار کرنا ہے۔ ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ (النساء ۴۷)

(اے لوگو جنھیں کتاب دی گئی تھی ایمان لاؤ اس کتاب پر جو ہم نے اب نازل کی ہے جو اس کتاب کی تصدیق کرتی ہے جو کہ تمھارے پاس پہلے سے موجود تھی)۔

غلامہ کلام یہ کہ اسلامی ہدایت کا تسلسل حضرت آدمؑ سے نبی خاتمؐ تک کبھی منقطع نہیں ہوا اور یہ آسمانی کتابیں اسی تسلسل کی علامت اور شہادت ہیں اور اسلام اس تسلسل پر یقین رکھنے کو جزوِ ایمان قرار دیتا ہے:

آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ، كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ (البقرہ ۲۸۵)

(رسولؐ اس پر ایمان لایا ہے جو اس کے رب کی طرف سے اس پر نازل ہوئی ہے اور مومنین بھی اس پر ایمان لائے ہیں، اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کا قول یہ ہے کہ "ہم اللہ کے رسولوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کرتے۔")

قرآن جس دین کو پیش کرتا ہے، وہ کوئی نیا دین نہیں نئی شریعت ضرور ہے، قرآن اسی دین کی تکمیل و تبلیغ کرتا ہے جس کے لیے آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ وغیرہ جیسے انبیاء مبعوث کیے گئے تھے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ (الشوریٰ ۱۳)

(اس نے تمھارے لیے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوحؑ کو دیا تھا اور جسے (محمدؐ) اب تمھاری طرف ہم نے وحی کے ذریعہ بھیجا ہے اور جس کی ہدایت ہم ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دے چکے ہیں قائم کرو اس دین کو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ)۔

اس وقت قرآن واحد صحیفہ ہے جو آسمانی ہدایت کے تسلسل اور اس روایت کے تقدس کا امین ہے، اس کا محافظ اور نقیب ہے۔ جب کہ دوسری کتابیں اس ہدایت کے تسلسل اور اس کے نقطۂ عروج میں خلا اور انقطاع کو قبول کیے ہوئی ہیں۔ یہود آدم سے لے کر صرف توریت اور اس کے حامل موسیٰؑ تک ہدایتِ الٰہی کا سلسلہ تسلیم کرتے ہیں اور اسی پر ختم کر دیتے ہیں اور عیسائی انجیل اور اس کے حامل عیسیٰؑ پر اس ہدایت کو ختم کر دیتے ہیں۔ حالانکہ سلسلہ ہدایت کا اختتام اور نقطۂ عروج قرآن اور حاملِ قرآن محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو جس طرح محض خدا کا ماننا مسلمان ہونے کے لیے کافی نہیں بلکہ ایک ہی خدا کا ماننا ضروری ہے، اسی طرح محض رسالت کا اقرار بھی کافی نہیں بلکہ سلسلۂ رسالت اور ختمِ رسالت کا اقرار بھی ضروری ہے۔

قرآنِ کریم کا نزول

قرآنِ کریم کے نزول سے متعلق متکلمین و مفسرین کا ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ رمضان کے مہینے میں لوحِ محفوظ سے ایک ہی مرتبہ پورا قرآن سماءِ دنیا پر نازل ہوا اور وہاں سے تھوڑا تھوڑا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ مگر کسی صحیح حدیث میں اس کی صراحت نہیں ملتی۔ محدثین و مفسرین کا دوسرا گروہ اس بات کا قائل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن اگرچہ تھوڑا تھوڑا ہی نازل ہوا مگر آغازِ نزول رمضان کے مہینہ میں ہوا۔ یہی مطلب ہے شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْاٰنُ کا (البقرہ ۱۸۵) چنانچہ محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ سترہ رمضان المبارک کو آپؐ منصبِ نبوت پر فائز ہوئے۔ واتت علیہ اربعون فاشرقت شمس النبوۃ منہ فی رمضان۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانی نے اس قول کی تائید و تصدیق کی ہے کیونکہ رمضان کے مہینہ میں آپؐ غارِ حرا میں اعتکاف فرماتے تھے۔[۱]

واثلہ بن اسقع کی روایت سے بھی اس کی توثیق ہوتی ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے رمضان کی پہلی تاریخ میں نازل ہوئے۔ تورات رمضان[۲] کی چھ تاریخ میں، انجیل تیرہ رمضان میں اور قرآن چوبیس رمضان میں نازل ہوا۔[۳]

رمضان کی تعیین کے علاوہ قرآن اپنے نزول کے سلسلہ میں یہ بھی اعلان کرتا ہے۔ حٰـمٓ ۔
وَالْکِتَابِ الْمُبِیْنِ ۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰـہُ فِیْ لَیْلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ اِنَّا کُنَّا مُنْذِرِیْنَ (الدخان ۱-۳)
اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ وَمَآ اَدْرٰکَ مَا لَیْلَۃُ الْقَدْرِ ۔ لَیْلَۃُ الْقَدْرِ
خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ (القدر) یعنی بابرکت اور قدر و منزلت والی رات میں قرآن نازل کیا گیا۔
حضرت حسن بصریؒ کا خیال اسی لیے شب قدر کے بارے میں ہے کہ وہ چوبیسویں کی رات ہے جس میں قرآن
نازل کیا گیا۔ قدر کی رات کوئی بھی متعین کی جائے، قرآن کی صراحت کے بموجب قدر کی مبارک رات میں
ہی قرآن کے نزول کا آغاز ہوا۔

قرآن پر ایمان لانے والوں کی تین قسمیں

قرآن پر ایمان لانے والوں کی ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو قرآن کی تلاوت کرتے ہیں، اس کے معانی کو سمجھتے ہیں اور اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو ایمان تو رکھتے ہیں مگر اس پر عمل نہیں کرتے۔ یہ لوگ مجرم ہیں باغی نہیں۔ تیسرے لوگ وہ ہیں جو ان دونوں کے درمیان ہیں یعنی کبھی قرآن پڑھتے ہیں کبھی نہیں پڑھتے، کبھی اس پر عمل کرتے ہیں اور کبھی خواہشاتِ نفسانی کے اسیر ہو جاتے ہیں۔ یعنی فرماں بردار بھی ہیں اور خطاکار بھی۔ قرآنِ کریم ان تینوں گروہوں کو بالترتیب بھلائی میں سبقت کرنے والے، اپنے نفس پر ظلم کرنے والے اور ان دونوں کے درمیان رہنے والے قرار دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْھُمْ
ظَالِمٌ لِّنَفْسِہٖ وَمِنْھُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْھُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ
بِاِذْنِ اللّٰہِ ذٰلِکَ ھُوَ الْفَضْلُ الْکَبِیْرُ (فاطر ۳۲)

(پھر ہم نے اس کتاب کا وارث بنا دیا ان لوگوں کو جنھیں ہم نے اس وراثت کے لیے اپنے بندوں میں سے چن لیا۔ اب کوئی تو ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے اور کوئی بیچ کی راس ہے اور کوئی اللہ کے اذن سے نیکیوں میں سبقت کرنے والا ہے، یہی بہت بڑا فضل ہے)

امام ابن تیمیہؒ کہتے ہیں کہ سَابِقُوْنَ بِالْخَیْرَاتِ میں وہ لوگ آتے ہیں جو فرائض کے ساتھ نوافل و مستحبات کا بھی التزام کرتے ہیں۔ واجبات کے ساتھ تقرب بالحسنات میں سبقت کرتے ہیں اور ظَالِمٌ لِّنَفْسِہٖ میں وہ لوگ آتے ہیں جو واجبات و فرائض کو ترک کرتے ہیں، محرمات کا ارتکاب کرتے ہیں اور اپنے گناہوں پر مُصر ہیں۔ اور مقتصد میں وہ لوگ آتے ہیں جو فرائض پر عمل کرتے ہیں۔ محرمات سے بچتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بروایت حضرت ابو موسیٰ قرآن سے وابستگی رکھنے والے اور اس کے چھوڑنے والے مختلف گروہوں کی مثال اس طرح بیان فرمائی ہیں:

المومن الذی یقرء القرآن ویعمل بہ کالاترجۃ طعمھا طیب وریحھا طیب والمومن الذی لا یقرء القرآن ویعمل بہ کالتمرۃ طعمھا طیب ولاریح لھا ومثل المنافق الذی یقرء القرآن کالریحانۃ ریحھا طیب وطعمھا مر ومثل المنافق الذی لا یقرء القرآن کالحنظلۃ طعمھا مر وریحھا مر

(اس مومن کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے اترج کی سی ہے جس کا ذائقہ بھی عمدہ اور خوشبو بھی عمدہ ہے، اور اس مومن کی مثال جو قرآن کے احکام پر تو عمل کرتا ہے مگر پڑھتا نہیں کھجور کی سی ہے جس میں خوشبو نہیں ہے مگر ذائقہ عمدہ ہے۔ اور اس منافق کی مثال جو قرآن کو پڑھتا ہے ریحانہ کی سی ہے جس کی خوشبو عمدہ ہے مگر ذائقہ کڑوا ہے اور اس منافق کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا ایلوے کی سی ہے جس کا ذائقہ بھی کڑوا ہے اور بُو بھی کڑوی ہے)۔

حاملینِ قرآن کا مقام دنیا اور آخرت میں

قرآن جتنی عظیم اور مقدس کتاب ہے حاملینِ قرآن بھی اس کی نسبت سے عظیم اور مقدس ہیں۔

اور عزت و احترام کے بلند مقام کے مستحق ہیں یہاں تک کہ امامت اور امارت کے اعلیٰ ترین مناصب کے بھی دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ حق دار ہیں۔ بروایت حضرت ابوہریرہؓ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وفد بھیجا تو اس وفد کے ہر فرد سے قرآن پڑھوایا، پھر ان میں سے سب سے کم عمر صحابیؓ سے پوچھا تم کو قرآن کتنا یاد ہے؟ انھوں نے کہا فلاں فلاں سورتیں اور سورۃ البقرۃ۔ آپؐ نے پوچھا کیا سورۃ البقرۃ بھی یاد ہے؟ انھوں نے کہا ہاں، تو آپؐ نے فرمایا، تم ہی اس وفد کے امیر ہوگے، پھر ان میں سے حسب و نسب والے ایک صحابیؓ نے کہا، بخدا میں نے سورۃ البقرۃ کی تعلیم حاصل کرنے سے اس لیے ترک کیا کہ مجھے ڈر تھا کہ میں اسے قیام لیل کا ذریعہ نہیں بنا سکتا تو آپؐ نے فرمایا، قرآن کا علم حاصل کرو اور اسے پڑھو کیونکہ قرآن کی مثال اس شخص کے لیے جو قرآن کی تعلیم حاصل کرتا ہے اور اسے پڑھتا ہے اور قیام لیل کا ذریعہ بناتا ہے ایسی ہے جیسے ایک مشکیزہ جو مشک سے بھرا ہوا ہے اور اس کی خوشبو ہر جگہ پھیل رہی ہے اور اس شخص کی مثال جو اسے پڑھتا ہے اور سینے میں رکھ کر سو جاتا ہے اس مشکیزہ کی ہے جس سے مشک کو ڈھانپ دیا جاتا ہے[۹]۔ اور حضرت عثمان غنی روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف ایک وفد بھیجا اور اس کا امیر وفد کے سب سے چھوٹے صحابی کو بنایا، کچھ دن گذر گئے اور یہ وفد نہیں نکلا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وفد کے ایک فرد سے ملاقات ہوئی، تو آپؐ نے پوچھا ابھی تک کیوں نہیں گئے؟ انھوں نے کہا اللہ کے رسولؐ ہمارے امیر کے پاؤں میں تکلیف ہے آپؐ ان کے پاس گئے اور یہ پڑھ کر سات مرتبہ پھونکا بسم اللہ وباللہ واعوذ باللہ وقدرتہ من شر ما فیہا۔ اس سے وہ صحابیؓ اچھے ہو گئے۔ آپؐ سے ایک بڑی عمر کے صحابیؓ نے کہا کہ آپؐ نے اسے ہمارا امیر بنایا جب کہ وہ ہم سب میں چھوٹا ہے تو آپؐ نے اس کی وجہ اس کی قرأت قرآن بتائی۔ اس پر انھوں نے کہا اللہ کے رسولؐ اگر مجھے سو جانے اور قرآن سے غافل رہنے کا خوف نہ ہوتا تو میں ضرور اس کی تعلیم حاصل کرتا۔ تو آپؐ نے فرمایا، قرآن کی مثال اس مشکیزہ کی سی ہے جس میں مشک بھرا ہوا ہے جو ہر سو پھیل رہا ہے، اسی طرح قرآن کو جب تم پڑھتے ہو اور وہ تمھارے سینے میں ہوتا ہے تو مشک کی طرح ہوتا ہے۔

آخرت میں بھی حاملِ قرآن کا درجہ سب سے بلند ہوگا۔ حاملینِ قرآن سے کہا جائے گا کہ آیتیں پڑھتا

جا اور اسی کے مطابق عزت و بلندی اور ترقی کے درجات طے کرتا جا۔
یقال لصاحب القرآن اقرأ وارتق ورتل کما کنت ترتل فی الدنیا
فان منزلک عند اٰخر اٰیۃ تقرأبھا ؎

قرآن مجید کے امتیازات

قرآن مجید کی چند اہم اور نمایاں خصوصیات اور امتیازات ہیں۔ ایک امتیاز یہ ہے کہ وہ دائمی اور آفاقی ہے اس لیے تحریف و ترمیم سے پاک ہے اور اللہ نے اس کی حفاظت کی ضمانت لی ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر ۸)

ہم نے ہی اس ذکر کو نازل کیا اور ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

قرآن اپنا تعارف ھُدًی لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ کی جامع تعبیر سے کراتا ہے۔ قرآن اسی طرح اپنی آفاقی اور دائمی حیثیت کو پیش کرتا ہے۔

جس طرح وہ اسلام کی ۔ کافۃ للناس
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ۔ رحمۃ للناس
امتِ مسلمہ کی ۔ اخرجت للناس

والی حیثیت کو ابھار کر پیش کرتا ہے یعنی وہ کسی قوم یا نسل یا طبقہ کے لیے نہیں بلکہ تمام انسانوں کے لیے ہدایت ہے۔

قرآن کا دوسرا امتیاز یہ ہے کہ وہ انسانی امراض کے لیے نسخہ کیمیا ہے۔ یہ امراض خواہ روحانی ہوں یا اخلاقی اور یا جسمانی۔ قرآن ان تمام امراض کے لیے شفا ہے۔ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (بنی اسرائیل۔ ۸۲) اور ہم قرآن کے ذریعے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے۔

قرآن اصلاً روحانی اور اخلاقی امراض ہی کے ازالہ کے لیے نازل ہوا ہے۔ جسمانی امراض کا علاج ضمناً یا التزاماً ہے۔ قرآن کے حروف الفاظ و معانی میں شفا مضمر ہے۔ روحانی امراض ہیں شرک، نفاق، تشکیک، ریا، اعتقادی کمزوری، بے عملی اور فکری آلودگی اخلاقی امراض میں جنسی بے راہ روی، بے حیائی، غیبت

چغلی، کینہ اور حسد، کبر و غرور، تعصب و تحزب وغیرہ کا موثر علاج ہے۔

تیسرا امتیاز یہ ہے کہ قرآن میزان عمل، میزان عدل اور میزان حیات ہے۔ اسی میزان پر انسانوں کا قیام مطلوب ہے، اسی میزان کے مطابق زندگی گذارنے کا حکم ہے۔ باہمی معاملات اور تعلقات میں بھی یہ میزان ضروری ہے۔ قیامت کے دن اسی میزان پر لوگوں کے اعمال تولے جائیں گے اور یہی میزان احتساب ہوگا۔

اَللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ (شوریٰ ۱۷)

وہ اللہ ہی ہے جس نے حق کے ساتھ یہ کتاب اور میزان نازل کی ہے)

یہاں کتاب سے مراد قرآن ہے اور میزان اس کا بیان ہے۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

القرآن حجة لك او عليك۔ قرآن یا تو تمہارے لیے حجت ہے یا تمہارے خلاف حجت ہے۔

یہی قرآن ہمارے عروج و زوال اور ترقی و تنزل کا بھی میزان ہے۔ إن الله يرفع بهذا الكتاب اقواما ويضع به آخرين۔ اللہ اس قرآن کے ذریعہ کچھ قوموں کو بلندی عطا کرتا ہے جب کہ دوسری قوموں کو پستی میں مبتلا کر دیتا ہے۔

چوتھی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ قرآن ضابطۂ حیات ہے اور دستور زندگی ہے۔ زندگی کی مشکلات کا حل ہے انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے اور انسان کی ہمہ جہت رہنمائی کرتا ہے۔ قرآن اسے تبیانا لکل شیٔ سے تعبیر کرتا ہے۔ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ وَّهُدًی وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰی لِلْمُسْلِمِیْنَ (النحل ۸۹) اور ہم نے یہ کتاب تم پر نازل کی ہے جو ہر چیز کی وضاحت کرنے والی ہے اور مسلمانوں کے لیے رحمت اور بشارت ہے۔

زندگی کے حقائق و جوانب پر قرآن تفصیل سے بحث کرتا ہے، کہیں اجمالی تبصرہ کرتا ہے اور کہیں اشارات کر دیتا ہے۔ مگر وہ کسی بھی شعبۂ حیات کو اس طرح آزاد نہیں چھوڑتا کہ اس میں انسان کو قرآن سے کوئی رہنمائی یا مدد نہ ملتی ہو۔ مثال کے طور پر نشر و اشاعت اور ذرائع ابلاغ ہی کو لیجیے اجتماعی زندگی کے بہت سے مسائل اور دشواریاں غلط خبریں ملنے اور غلط فہمیوں کے پیدا ہونے سے وجود پاتی ہیں۔ ہمارے

زمانے میں انسانی ذہن کو بنانے اور بگاڑنے میں ذرائع ابلاغ کا نمایاں کردار ہے اور بالخصوص صحافت (جرنلزم) کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ مگر آج صحافت کا خبر لینے اور خبر دینے میں جو رجحان ہے وہ تحقیق سے زیادہ استعجاب پر مبنی ہے۔ قرآن صحافت کی کتاب ہرگز نہیں مگر اس نے جو ہدایات دی ہیں وہ ذرائع ابلاغ اور وسائل نشر و اشاعت کے استعمال کے سلسلہ میں رہنما اصول کی حیثیت رکھتی ہیں۔ مثلاً حسب ذیل دو آیات کا مطالعہ کیجیے:

إِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ (النساء ۸۳)

(اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر پہنچتی ہے تو اُسے مشہور کر دیتے ہیں اور اگر اس کو رسول اور اپنے سربراہوں کے پاس پہنچاتے تو تحقیق کرنے والے اس کی تحقیق کر لیتے)۔

إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ (الحجرات ۶)

(اگر کوئی مجہول الحال تمھارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نادانستہ نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کیے پر پشیمان ہو)

پہلی آیت میں خبروں کو پھیلانے سے پہلے اُن کی حقیقت، صورت، ان کے نتائج اور مضرات پر غور کرنے کے لیے ان کو صاحب معاملہ اور ذمہ دار لوگوں تک پہنچانے کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔ دوسری آیت میں ہر جھوٹی سچی خبر کو سننے، قبول کرنے اور اس کے مطابق رائے قائم کرنے کے سلسلہ میں احتیاط ملحوظ رکھنے کی تعلیم دی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ ایسی خبر جس کا تعلق اجتماعی نفع و نقصان سے ہو اس کی تحقیق و تصدیق ضروری ہے ورنہ یہ ہو سکتا ہے کہ غلط خبر کی بنیاد پر کوئی ایسا اقدام ہو جائے جو ندامت اور پشیمانی پر منتہی ہو۔ تحقیق کبھی تو خبر کی ہوتی ہے اور کبھی خبر لانے والے کی اور کبھی دونوں کی، یہ حالات اور ماحول کے اقتضا پر منحصر ہے۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر سنی سنائی بات کو بلا تحقیق بیان کرنے والے کو جھوٹا قرار دیا ہے۔ آپ نے فرمایا: کفی بالمرء کذبا ان یحدث

بکل ما سمع۔ انسان کے جھوٹا ہونے کے لیے کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو بیان کرے۔

قرآن کا پانچواں امتیاز یہ ہے کہ وہ علم اور عبادت کا مجموعہ ہے۔ قرآن ذکر بھی ہے اور فکر بھی۔ اس کے برخلاف کوئی چیز علم اور عبادت کی جامع نہیں۔ مثلاً صلوٰۃ، صوم، زکوٰۃ، حج، ذکر اور جہاد یہ سب عبادت تو ہیں مگر علم نہیں۔ مگر قرآن عبادت بھی ہے اور علم بھی۔ عبادت ایسی کہ بروز قیامت قرآن پڑھنے والوں کے لیے ذریعۂ شفاعت ہوگی اور علم ایسا کہ اس سے زیادہ معتبر یقینی اور بابرکت کوئی دوسرا علم نہیں۔ اسی لیے قرآن کو دوسری جملہ عبادات کے مقابلہ میں یک گونہ فضیلت حاصل ہے۔ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف لائے تو صحابہ کرام کے دو حلقے بنے ہوئے تھے ایک حلقہ ذکر میں مشغول تھا اور دوسرا قرآن کے مذاکرہ میں، آپؐ نے پہلے حلقے کی بھی تعریف کی مگر خود دوسرے حلقے میں جاکر بیٹھ گئے اور فرمایا بعثت معلما۔ میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اسی لیے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے جب پوچھا گیا کہ آپ اذکار و نوافل کا زیادہ اہتمام نہیں کرتے تو انھوں نے فرمایا میں قرآن میں مشغول رہنے کو اذکار و نوافل سے بہتر سمجھتا ہوں۔

قرآن کو یاد کرنا آسان ہے:

قرآن کی ایک خوبی یہ ہے کہ اسے یاد کرنا نہایت آسان ہے، چنانچہ ایک معصوم بچہ بھی چند سالوں میں اسے یاد کر لیتا ہے اور یہ قرآن کا اعجاز ہے کہ دنیا کی کسی کتاب کو یاد کرنا اتنا آسان نہیں جتنا کہ قرآن کا یاد کرنا آسان ہے۔ شاید آج کوئی مذہبی کتاب ایسی نہیں جسے چند آدمی از اول تا آخر زبانی سنا دیں۔ نہ عہد نامۂ عتیق اور نہ عہد نامہ جدید، نہ وید اور نہ گرو گرنتھ۔ مگر یہ قرآن ہے جس کے حفاظ کروڑوں کی تعداد میں روئے زمین پر پائے جاتے ہیں۔ جب کوئی انسان قرآن کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو قرآن کو سہل الحصول پاتا ہے۔ مگر جب وہ قرآن سے بے توجہی برتتا ہے تو قرآن بھی اس سے اپنا فیض منقطع کر لیتا ہے اس لیے قرآن کو یاد کرنے کے ساتھ اس کی حفاظت اور مداومت ضروری ہے۔ چنانچہ بروایت حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تعاهدوا القرآن فوالذي نفسي بيده لهو اشد تفصيا من الابل في عقلها"

(قرآن کی نگرانی کرتے رہو (یاد کرتے رہو) کیونکہ اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے قرآن بندھے ہوئے اونٹ سے زیادہ تیزی سے نکل جاتا ہے)

قرآن سدا بہار ہے

قرآنِ کریم کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ اس کے معارف لامتناہی اور اس کے عجائبات لامحدود ہیں جن کا احاطہ کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ قرآن چونکہ اللہ رب العزت کا کلام ہے اور اللہ کا علم تمام موجودات و ممکنات وغیرہ کو محیط ہے، اس لیے اس کے کلام میں اس کی تہ داری پائی جاتی ہے۔ کوئی شخص زندگی بھر قرآن کی تلاوت اور اس میں غور و فکر کرتا رہے کبھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اب وہ قرآن کے معانی و مفاہیم کی تہوں تک پہنچ گیا۔ بلکہ جب جب وہ کلامِ الٰہی کو پڑھے گا ہر مرتبہ اُسے ایک نئی بات معلوم ہوگی۔ نیاپن اُسے محسوس ہوگا اور نئی لذت اُسے نصیب ہوگی۔ قرآن گویا ایک سدا بہار درخت ہے اس پر کبھی خزاں نہیں آتی کبھی اس کی شادابی و تازگی ختم نہیں ہوتی، کبھی اس کا فیض ختم نہیں ہوتا بلکہ ہر لمحہ اس میں نمو اور بالیدگی محسوس ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہی اپنے کلام کی مثال اس پاکیزہ درخت سے دی ہے جس کی جڑیں زمین کی تہوں میں پیوست ہیں اور شاخیں آسمان میں پھیلی ہوئی ہیں اور ہر لمحہ وہ انسانوں کے لیے فیض رساں ہے۔ ارشاد ہے:

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا
ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا
كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝

(ابراہیم ۲۵-۲۴)

دیکھا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ نے کلمہ طیبہ کو کس چیز سے مثال دی ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک پاکیزہ درخت جس کی جڑ زمین میں گہری جمی ہوئی اور شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں، ہر آن وہ اپنے رب کے حکم سے اپنے پھل دے رہا ہے۔ یہ مثالیں اللہ اس لیے دیتا ہے کہ لوگ اُس سے سبق لیں۔

قرآن قائد اور امام ہے

قرآن بنی نوعِ انسان کا رہنما امام اور قائد بھی ہے جو لوگ قرآن کی رہنمائی اور قیادت کو تسلیم کر کے اس کا اتباع کرتے ہیں قرآن ان کی جنت تک رہنمائی کرتا ہے اور جو لوگ اس کی رہنمائی اور امامت تسلیم نہیں کرتے قرآن ان کی بھی رہنمائی کرتا ہے مگر جنت کے بجائے جہنم تک لے جاتا ہے جیسا کہ بروایت حضرت جابرؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"القرآن شافع مشفع وماحل مصدق من جعله امامه قاده الى الجنة ومن جعله خلف ظهره ساقه الى النار"

(قرآن پاک ایسا شفیع ہے جس کی شفاعت مقبول ہے اور ایسا مجادل ہے جس کا مجادلہ مسلم ہے، جو شخص قرآن کو اپنے آگے رکھتا ہے قرآن اسے جنت تک لے جاتا ہے اور جو اسے پس پشت ڈال دیتا ہے قرآن اُسے جہنم میں گرا دیتا ہے)

قرآن مجید کی دو سطحیں :

قرآن کریم کی دو سطحیں یا دو منہج ہیں۔ ایک عمومی سطح ہے جو ہدایت سے متعلق ہے۔ یعنی قرآن ہدایت کے معاملہ میں عام ہے، اس کا فیضان عالم وجاہل، عقلمند وکم عقل، شہری و دیہاتی سب کے لیے یکساں ہے جو بھی ہدایت کا طلبگار ہے قرآن اس کے لیے سرچشمہ ہدایت ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ (البقرہ ۱۸۵)

(رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہِ راست دکھانے والی ہے اور حق و باطل میں فرق کرنے والی ہے)۔

اس لحاظ سے قرآن ایک بالکل آسان کتاب ہے اس میں کسی طرح کی کوئی دشواری نہیں، اللہ تعالیٰ

کے حکم کے بموجب وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ (القمر ۱۷) اور ہم نے اس کتاب کو نصیحت کے لیے آسان بنادیا ہے، پھر کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا) وہ سہل ہے۔

قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کے لیے کسی درسگاہ سے سند یا قت حاصل کرنا ضروری نہیں مگر قرآن کی ایک دوسری سطح ہے جو خصوصی ہے وہ علم معرفت سے تعلق رکھتی ہے وہ اتنی آسان نہیں کہ ہر کسی پر منکشف ہوجائے۔ بلکہ محنت، تفقہ، تدبر اور قرآن سے غیر معمولی شغف اور وابستگی کا مطالبہ کرتی ہے۔ قرآن کی علمی سطح تہہ در تہہ ہے۔ قرآن میں انسان جتنا غور کرے گا اس کے معانی اور مفاہیم کی گہرائی اور جہات اسی قدر اس پر واضح ہوتی چلی جائیں گی اور ظاہر ہے کہ یہ انسان سے علم و فکر کی درستگی کے ساتھ مسلسل غور و فکر کا مطالبہ کرتی ہے۔

بَلْ هُوَ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ (العنکبوت ۴۹)

(بلکہ وہ کھلی ہوئی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے دلوں میں جنھیں علم بخشا گیا ہے)

قرآن کے معارف کا انکشاف انسان کی شعوری سطح اور آگہی کے تناسب سے ہوتا ہے انسان کا علم جتنا وسیع اور جامع ہوگا قرآن اسی کے مطابق اس پر خود کو منکشف کرتا رہے گا۔

وَیَرَی الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ هُوَ الْحَقَّ

وَیَهْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ (السبا ۶)

(اور جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے وہ جانتے ہیں کہ جو (قرآن) تمھارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ حق ہے اور (اللہ) غالب سزاوار حمد کی طرف رہنمائی کرتا ہے)۔

قرآن کی مذکورہ دونوں سطحیں اپنے اندر وسیع حکمت اور موعظت رکھتی ہیں، عمومی سطح اس لیے آسان رکھی گئی ہے کہ انسان کا صراطِ مستقیم پر چلنا آسان ہوجائے اور خصوصی سطح اس لیے عمیق رکھی گئی کہ عقل اور ذہن کی تربیت ہوسکے۔

قرآن کریم میں محکم اور متشابہ کا مسئلہ بھی اسی سے متعلق ہے۔ بعض قرآنی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ پورا قرآن محکم ہے کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ خَبِیْرٍ (ہود ۱) یہ کتاب ہے جس کی آیتیں محکم ہیں اور خدائے حکیم و خبیر کی طرف سے تفصیل بیان کردی گئی ہیں

بعض دوسری آیات بتاتی ہیں کہ پورا قرآن متشابہ ہے۔

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتَابًا مُّتَشَابِہًا مَّثَانِیَ (الزمر ۲۳)

اللہ نے بہترین کلام اتارا ہے ایک ایسی کتاب جس کے تمام اجزاء متشابہ ہیں اور جن میں بار بار مضامین دہرائے گئے ہیں۔

جب کہ کچھ آیات ایسی بھی ہیں جو بعض حصہ کو محکم اور بعض کو متشابہ قرار دیتی ہیں۔

ھُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتَابَ مِنْہُ اٰیَاتٌ مُّحْکَمٰتٌ ھُنَّ اُمُّ الْکِتَابِ وَاُخَرُ مُتَشَابِہَاتٌ (آل عمران: ۷)

(وہی خدا ہے جس نے یہ کتاب تم پر نازل کی ہے اس میں کچھ آیات محکم ہیں اور وہ کتاب کی اصل بنیاد ہیں اور دوسری متشابہات ہیں)

محکم اور متشابہات کے معاملہ میں علماءِ خلف و سلف کی تشریحات و فرمودات بجا، لیکن خود قرآن میں غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ تینوں باتیں اپنی جگہ درست ہیں۔ قرآن کی بعض آیات صریح واضح اور معانی و مفاہیم کے لحاظ سے مبین ہیں جب کہ بعض آیات محتمل المعانی ہیں جو باہم متشابہ ہیں، جو لوگ اللہ پر سچے دل سے ایمان رکھتے ہیں، ان کے لیے متشابہ کا حجاب اٹھ جاتا ہے اور پورا قرآن محکم ہو جاتا ہے۔ مگر وہ لوگ جو قرآن کو فتنہ جوئی اور شر انگیزی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ان کے لیے پورا قرآن متشابہ ہے یہاں تک کہ محکم آیات بھی۔

اَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِہِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَہَ مِنْہُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَۃِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِہٖ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَہٗٓ اِلَّا اللّٰہُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِہٖ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ (آل عمران: ۷)

(جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ فتنہ کی تلاش میں متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ان کو معانی پہنانے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ ان کا حقیقی مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور جو لوگ علم میں پختہ ہیں وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں، یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے اور نصیحت صرف عقل مند لوگ

ہی حاصل کرتے ہیں)۔

اس آیت میں قرأت کا وہ طریقہ پسندیدہ ہے جو امام شافعیؒ سے منسوب ہے، یعنی والراسخون فی العلم پر جملہ مکمل ہو جاتا ہے، یہ بہت ممکن ہے کہ ایک آیت عام لوگوں کے نزدیک متشابہ مگر راسخون فی العلم کے نزدیک وہ محکم ہو اس آیت کو سمجھنے کے لیے ایک واقعہ بیان کرنا کافی ہوگا۔ علامہ اقبال جس زمانہ میں لندن میں قیام پذیر تھے، ان کی کسی کے یہاں دعوت ہوئی اس دعوت میں ایک ایسے دانشور بھی شریک تھے جن کا تعارف ماہر حجریات کی حیثیت سے کرایا گیا۔ اقبال نے ان سے اپنے علم کے کسی پہلو پر روشنی ڈالنے کو کہا تو انھوں نے اقبال کو اپنے ساتھ ساحلِ سمندر پر چلنے کو کہا وہاں پہنچ کر اس دانشور نے ایک سنگ ریزہ اٹھایا اور اس پر گفتگو کرنا شروع کی اور نہایت قیمتی معلومات اس سنگ ریزہ کی حقیقت، ماہیت، ضرورت، افادیت اور کائنات سے اس کے تعلق پر فراہم کیں۔ اقبال دم بخود رہ گئے کہ پتھر کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا جو ہماری نظر میں بظاہر کوئی چیز نہیں، بھلا اس کے اندر اتنی چیزیں جمع ہو سکتی ہیں۔ بلاشبہ خدا کا کلام اس سے حکمت و معنویت کی تہیں اپنے اندر رکھتا ہے۔ مگر یہ انہی لوگوں پر واضح ہو سکتی ہیں جو قرآنی فہم و بصیرت اپنے اندر رکھتے ہوں اور قرآن جن کو راسخون فی العلم قرار دیتا ہے۔

قرآن خلاصہ کائنات :

کائنات اللہ کی تخلیق ہے اور قرآن اللہ کا کلام۔ کائنات میں جو نظام قائم ہے اس کی تفہیم و تسخیر اس کے قواعد و ضوابط، رموز و اشارات اور طریق استفادہ سے قرآن ہمیں آگاہ کرتا ہے، یعنی قرآن مطالعۂ کائنات کی بھی رہنما کتاب ہے، کائنات میں جو چیزیں ظاہر یا مخفی ہیں ان کی صحیح حیثیت قرآن متعین کرتا ہے اور انسان کا تعلق ان سے واضح کرتا ہے جس طرح ایک کمپنی کوئی مشین ایجاد کرتی ہے تو اس کے ساتھ گائڈ بک یعنی طریقۂ استعمال کی رہنما کتاب بھی دیتی ہے تاکہ مشین خریدنے والا اس سے پورا فائدہ اٹھائے اور اسے نقصان سے بچائے۔ اسی طرح اللہ نے یہ کائنات بنا کر اور اسے انسانوں کے حوالے کر کے ایک رہنما کتاب قرآن نازل کی تاکہ انسان کائنات کے متعلق اپنے رویہ کو متعین کرے اس سے استفادہ صحیح طریقہ سے کرے اور اس میں فساد اور بگاڑ نہ برپا کرے۔ قرآن کریم کے اخلاقی اور تعمیری

قوانین ہوں یا جنگی احکامات، بین الاقوامی تعلقات سے متعلق اشارات ہوں یا جاندار اشیاء سے متعلق ہدایات، سب کچھ اسی خدا انسان اور کائنات کے رشتہ کو واضح کرتی ہیں اور اس کی حفاظت کی دعوت دیتی ہیں۔ اس لیے قرآن کی ہدایات کو نظرانداز کر کے کائنات کو صحیح ڈھنگ سے نہ سمجھا جاسکتا ہے نہ اس کے متعلق معتدل و متوازن رویہ اپنایا جاسکتا ہے۔

قرآن سب سے عظیم ہے :

کائنات سے اللہ کا کلام زیادہ عظیم الشان اور بلند ہے۔ دنیا کی ہر وہ چیز جسے دیکھ کر انسان حیرت و ہیبت اور استعجاب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ قرآن کے مقابلہ میں ان کی حیثیت کچھ بھی نہیں۔ مثلاً یہ اونچے اونچے پہاڑ جن کے نیچے انسان اپنا وجود نقطہ سے بھی کمتر محسوس کرتا ہے اور اس کی بلندی و جسامت کی ہیبت سے خوف کھاتا ہے وہ قرآن کی عظمت و جلالت شان سے لرزہ براندام ہے قرآن کہتا ہے:

لَوْ أَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (الحشر: ۲۰)

(اگر ہم نے یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتار دیا ہوتا تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دبا جا رہا ہے اور پھٹا پڑتا ہے)۔

قرآن کی عظمت کے لیے یہ نسبت ہی کافی ہے کہ وہ احکم الحاکمین کا کلام ہے۔ اگر یہ مثل اپنے اندر کوئی معنویت رکھتی کہ کلام الامام امام الکلام، تو اس کا مصداق سب سے پہلے قرآن کریم ہے۔ چنانچہ قرآن سے وابستگی رکھنے والے کے لیے یہ بشارت بھی کافی ہے کہ وہ رب العزت سے ہم کلام ہے۔ یہ ہم کلامی ہی دراصل مومن کی معراج ہے اور اس بات کا احساس بجائے خود انتہائی وجد انگیز اور فرحت بخش ہے۔

قرآن سب سے بڑی دولت ہے :

مال و دولت کا ہمیشہ سے ہی انسان لالچی رہا ہے، دولت انسان کو بے نیازی اور آسودگی عطا کرتی ہے مگر اس مادی دولت کے ساتھ تین قسم کی خامیاں لگی ہوئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ دولت ضروری نہیں کہ ہمیشہ انسان کے ساتھ رہے، دولت بادلوں کے سائے کی طرح کبھی آتی ہے اور کبھی چلی جاتی ہے، کبھی

انسان مالدار ہوتا ہے اور کبھی نادار بن جاتا ہے۔ دوسری کمزوری اس دولت کی یہ ہے کہ صرف اس وقت تک انسان اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے جب تک وہ زندہ اور صحت مند ہے، مگر صحت کے جانے اور موت کے آنے کے بعد مال و دولت اس کے لیے بیکار چیز بن جاتی ہے۔ کبھی انسان کو ایسی بیماری لاحق ہوتی ہے کہ وہ اچھے کھانے نہیں کھا سکتا، کبھی طبیعت ایسی اچاٹ ہو جاتی ہے کہ اسے مال و دولت کے مظاہر سے وحشت ہو جاتی ہے، اور کبھی اس کی صحت ایسی خراب ہو جاتی ہے کہ وہ اپنی جمع کردہ دولت کا اپنے اوپر اثر نہیں دیکھ سکتا اور مرنے کے بعد تو اس کا دولت سے تعلق ہی ختم ہو جاتا ہے۔ تیسری کمزوری دولت کی یہ ہے کہ وہ انسان کے ایمان و اخلاق اور سیرت و کردار کے لیے آزمائش بھی بن جاتی ہے اور انسان دولت کی خاطر اعلیٰ انسانی اور اخلاقی قدروں سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے، دولت آجاتی ہے ایمان چلا جاتا ہے۔ اسی لیے قرآن و سنت میں دولت کو فتنہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مگر قرآن ایسی دولت ہے جو زندگی میں انسان کا ساتھ چھوڑتی ہے اور نہ مرنے کے بعد چھوڑتی ہے۔ ہمیشہ انسان کی محافظ رہتی ہے، اور اس دولت کے ساتھ سیرت و کردار ایمان و اخلاق بگڑتے نہیں بلکہ سنور جاتے ہیں۔ اس دولت کے حاصل ہونے کے بعد صاحبِ قرآن کو دنیاداروں کے مال و متاع سے زیادہ اپنے کو مالدار اور مستغنی سمجھنا چاہیے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ (الحجر ۸۷-۸۸)

(ہم نے تم کو سات بار دہرائی جانے والی آیات اور قرآنِ عظیم عطا کیا ہے، تم متاعِ دنیا کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھو جو ہم نے ان میں سے مختلف لوگوں کو دے رکھی ہے)

قرآن قلبِ انسانی کا نور ہے:

قرآن قلبِ انسانی کا نور ہے، یہ دل پر طاری ہوتا ہے اور دل کی دنیا بدل دیتا ہے، پھر اس تبدیلی کا اثر انسان اپنی شکل و صورت، سیرت و کردار اور ماحول پر محسوس کرتا ہے۔ قاری قرآن کو جب اس طرح پڑھتا ہے تو گویا وہ خود قرآن بن جاتا ہے۔ علامہ اقبال نے اسے شعری پیکر میں یوں ڈھالا ہے:

یہ بات کسی کو نہیں معلوم کہ مومن قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

قرآن کہتا ہے:

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ (الزمر: ۲۳)

(اللہ نے بہترین کلام اتارا ہے ایک ایسی کتاب ہے کہ باہم ملتی جلتی ہے جس کے مضامین بار بار دہرائے گئے ہیں اسے سن کر ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرنے والے ہیں اور پھر ان کے جسم اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف راغب ہو جاتے ہیں)۔

اسی لیے مطلوب یہ ہے کہ قرآن کو دل سے پڑھا جائے، بے دلی کے ساتھ قرآن کو پڑھنا اس کی توہین ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اقرؤا القرآن ما ائتلفت علیہ قلوبکم فاذا اختلفتم فقوموا عنہ ﷺ "اس وقت تک قرآن پڑھو جب تک تمہارے دل اس میں لگے رہیں اور جب یہ دلجمعی نہ رہے تو اٹھ جاؤ" اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ اپنے دل کو قرآن سنتے وقت ٹٹولا کرو، قرآن کا طریقۂ انقلاب یہی ہے کہ پہلے وہ دلوں کو بدلتا ہے، پھر ماحول اور معاشرہ میں تبدیلی لاتا ہے اور پھر نظامِ حیات بدل دیتا ہے۔ دنیا میں کوئی کتاب ایسی نہیں جس نے اتنے بڑے پیمانے پر انسانی دلوں کو مسخر کیا ہو۔ انسانی سماج کو اس طرح متاثر کیا ہو اور نظامِ انسانی کو اس طرح تبدیل کیا ہو۔ قرآن کی یہ طاقت آج بھی جوں کی توں ہے۔ قرآن میں اثر انگیزی کی صلاحیت اتنی حیرت انگیز ہے کہ کفار قریش قرآن کی بے پناہ مخالفت کے باوجود چھپ چھپ کر قرآن سنا کرتے اور قرآن نے ان کی جمعیت کو برف کی طرح پگھلا کر رکھ دیا اور آج بھی قرآن کا صوتی اعجاز اپنی جگہ ایک چیلنج ہے۔ اس کے دوسرے پہلو تو الگ رہے۔ کفار کی اسلام، مسلمانوں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی کا اصل سبب قرآن ہی تھا۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ (یونس: ۱۵)

(جب ان کو ہماری آیات بینات سنائی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو ہم سے ملنے کی توقع

نہیں رکھتے کہتے ہیں کہ اس کے بجائے کوئی اور قرآن لاؤ یا اس میں تبدیلی کرو)

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِ الَّذِينَ كَفَرُوا الْمُنكَرَ يَكَادُونَ يَسْطُونَ بِالَّذِينَ يَتْلُونَ عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا (الحج ۷۲)

(اور جب ان کو ہماری صاف صاف آیات سنائی جاتی ہیں تو تم دیکھتے ہو کہ منکرین حق کے چہرے بگڑنے لگتے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ ابھی ان لوگوں پر ٹوٹ پڑیں گے جو انھیں ہماری آیات سناتے ہیں)

کفار اس کے نتیجہ میں ایک دوسرے کو قرآن سے روکنے کے لیے مختلف تدابیر اختیار کرتے تھے، شور وغل، ہنگامہ آرائی، رقص وسرود گانے بجانے اور دیگر لہو ولعب سے قرآن کا مقابلہ کرتے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ (حٰم سجدہ ۲۶)

(جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ (ایک دوسرے سے) کہتے ہیں کہ اس قرآن کو ہرگز نہ سنو اور اس میں خلل ڈالو شاید کہ اس طرح تم غالب آجاؤ)

قرآن راہ عزیمت ہے :

قرآن اپنے مخالفین اور معاندین کے طوفان بدتمیزی کے بدلہ میں مسلمانوں کو جوابی کارروائی کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ مثبت اور تعمیری رویہ اپنانے کی تلقین کرتا ہے۔ قرآن اپنے حاملین اور مخالفین کے رویہ، رجحان برتاؤ اور سلوک میں امتیازی فرق دیکھنا چاہتا ہے کیونکہ قرآن کا بنیادی مقصد انسانی قلوب کی تطہیر اور اسکی سیرت وکردار کی تعمیر ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من قرأ القرآن فقد استدرج النبوة بين جنبيه غير انه لا يوحى اليه لا ينبغي لصاحب القرآن ان يجد مع وجد ولا يجهل مع من جهل وفي جوفه كلام الله۔

(جس نے قرآن شریف کو پڑھا اس نے نبوت کو پسلیوں کے درمیان لے لیا بجزیہ کہ اس کی طرف وحی نہیں بھیجی جاتی۔ کسی صاحب قرآن کے لیے مناسب نہیں کہ غصہ کرنے والوں پر کبھی غصہ کرے اور جاہلوں کے ساتھ جہالت کا برتاؤ کرے جب کہ اس کے پیٹ میں اللہ کا کلام موجود ہے)

قرآن کے مطالبات :

بنی نوع انسان سے قرآن کا پہلا مطالبہ یہ ہے کہ وہ اس کتاب پر ایمان لائے، اس کی دلی تصدیق، زبانی اقرار اور عزت و احترام کرے۔ ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ (النساء ۱۳۵)

(اے ایمان والو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کی کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر نازل کی ہے)

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَأَصْلَحَ بَالَهُمْ (محمد ۲)

(اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور جو کتاب محمدؐ پر نازل ہوئی ہے اس پر ایمان لائے اور وہ ان کے پروردگار کی طرف سے برحق ہے ان سے ان کے گناہ اللہ نے دور کر دیئے اور ان کی حالت سدھار دی)۔

قرآن پر ایمان لانے کا مطلب یہ بھی ہے کہ اس کے کلام الٰہی ہونے کو تسلیم کیا جائے اور یہ بھی ہے کہ قرآن ہی کو ذریعہ ہدایت اور سعادت مانا جائے اور اس کے احکام و نواہی انذار و تبشیر موعظت و حکمت کو انسانی زندگی کا نسخہ کیمیا تصور کیا جائے، قرآن کے معاملہ میں کسی قسم کے شکوک و شبہات میں مبتلا ہونا اس پر ایمان لانے کو بے معنی بنا سکتا ہے جیسا کہ اہل کتاب کے سلسلہ میں ہوا۔

وَإِنَّ الَّذِينَ أُورِثُوا الْكِتَابَ مِن بَعْدِهِمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ (شوریٰ ۱۴)

(اور جو لوگ اگلوں کے بعد کتاب کے وارث بنائے گئے وہ اس کے بارے میں اضطراب انگیز شک میں مبتلا ہیں)۔

دوسرا مطالبہ یہ ہے کہ اس کی تلاوت کی جائے اور اسے یاد کیا جائے، ناظرہ تلاوت اور حفظ دونوں مطلوب ہیں اور دونوں کا اجر بھی عند اللہ مقرر ہے، قرآن کی کثرت تلاوت اللہ کی رضا کے حصول کا ذریعہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ:

أُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَأَنْ أَتْلُوَ الْقُرْآنَ (النمل: ۹۰)

(مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلمان بن کر رہوں اور قرآن کی تلاوت کروں)

اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ کِتَابِ رَبِّکَ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِہٖ مُلْتَحَدًا (کہف:۲۶)

(اے نبیؐ کتاب میں سے جو کچھ تم پر وحی کیا گیا ہے اس کی تلاوت کرو، اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور اس کے سوا تم کوئی جائے پناہ بھی نہ پاؤ گے)

چنانچہ قرآن کی تلاوت کرنے والے ہی اللہ کے نزدیک اس پر صحیح ڈھنگ سے ایمان لانے والے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَتْلُوْنَہٗ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ اُولٰٓئِکَ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ (البقرہ:۱۲۱)

(جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اسے اس طرح پڑھتے ہیں جیسا کہ پڑھنے کا حق ہے اور وہ اس قرآن پر سچے دل سے ایمان لاتے ہیں)

قرآن کی تلاوت بھی تجوید، ترتیل اور ترجیع کے ساتھ مطلوب ہے اس لیے تلاوت کے ساتھ تجوید و قرأت کی ضروری واقفیت بھی لازمی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے زینوا القرآن باصواتکم (۱۴) قرآن کو اپنی آوازوں کے ساتھ مزین کرو، اور اللہ کا حکم ہے وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا (المزمل:۴) اور قرآن کو ترتیل کے ساتھ پڑھو، اسی طرح حفظ قرآن بھی مطلوب ہے۔ بقدر ادائیگی نماز قرآن کا یاد کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے جب کہ پورے قرآن کا یاد کرنا ہر مسلمان سے مطلوب ہے۔ تلاوت قرآن کا تقاضا یہ بھی ہے کہ جب تلاوت ہو رہی ہو تو دوسرے لوگ خاموشی سے سنیں۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ (الاعراف:۲۰۴)

(جب قرآن پڑھا جائے تو اسے توجہ سے سنو اور خاموش رہو شاید کہ تم پر بھی رحمت ہو جائے)

قرآن کا تیسرا مطالبہ فکر و تدبر اور تذکیر و موعظت ہے۔ قرآن کا صرف زبان سے پڑھنا اور یاد کرنا کافی نہیں ہے، قرآن کا اصل مقصود اس کو سمجھنا اور اس کی آیات میں تفکر و تدبر ہے۔ جب تک انسان قرآن کو سمجھے گا نہیں اس وقت تک اسے قرآن کی حلاوت نصیب نہیں ہو سکتی۔ قرآن اپنا مقصد

اس طرح بیان کرتا ہے:

كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُوا الْأَلْبَابِ (۲۹)

(یہ ایک برکت والی کتاب ہے جو ہم نے تمہاری طرف (اے محمدؐ) نازل کی ہے تاکہ یہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں اور عقلمند اس سے نصیحت حاصل کریں)۔

ہمارے عہد میں مسلمانوں کی اکثریت قرآن فہمی کے تقاضے سے غافل ہے وہ سمجھتی ہے کہ اس کے لیے تلاوت کافی ہے اور قرآن کا سمجھنا علماء کا کام ہے۔ وہ اپنے آباؤ اجداد، شیوخ و اساتذہ کی کتابیں پڑھتی اور سمجھتی ہے مگر اللہ کی کتاب کو سمجھنے کی چنداں ضرورت محسوس نہیں کرتی، حالانکہ صحابہ کرامؓ قرآن کو صرف پڑھتے ہی نہیں تھے بلکہ اس کو اچھی طرح سمجھتے بھی تھے۔ حضرت ابوعبدالرحمن اسلمیؒ روایت کرتے ہیں:

حدثنا الذین کانوا یقرؤن القرآن کعثمان بن عفان وعبد اللہ بن مسعود وغیرہما انہم اذا کانوا تعلموا من النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشر آیات لم یتجاوزوھا حتی یعلموا ما فیہا من العلم والعمل قالوا تعلمنا القرآن والعمل جمیعا ولھذا کانوا یبقون مدۃ فی حفظ السورۃ[۵]

"ہم سے ان لوگوں نے بیان کیا جو قرآن اہتمام سے پڑھا کرتے تھے مثلاً حضرت عثمان بن عفانؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہما حضرات صحابہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دس آیات پڑھ لیتے تو ان سے آگے نہ بڑھتے یہاں تک کہ وہ ان آیات میں علم و عمل کی تمام باتیں جان لیتے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہم نے قرآن اور عمل دونوں کو ایک ساتھ سیکھا ہے اور اسی لیے وہ ایک سورہ کو یاد کرنے میں مدت صرف کرتے۔"

علامہ سیوطیؒ رقم طراز ہیں:

والسنۃ القراءۃ بالتدبر والتفہم فھو المقصود الاعظم والمطلوب الاھم وبہ تنشرح الصدور وتستنیر القلوب قال تعالی کتاب انزلناہ الیک مبارک لیدبروا آیاتہ وقال افلا یتدبرون القرآن وصفۃ ذالک ان یشغل قلبہ بالتفکر فی معنی ما یلفظ بہ فیعرف معنی کل آیۃ

ویتامل الاوامر والنواہی ویتیقن قبول ذالک[13]

"مسنون طریقہ یہ ہے کہ قرآن کو سمجھ بوجھ اور غور و فکر کے ساتھ پڑھا جائے، یہی مقصد اعظم اور مطلوب اہم ہے، اسی سے شرح صدر ہوتا ہے اور دل روشن ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کہتا ہے یہ بابرکت کتاب ہے جو ہم نے تمہاری طرف نازل کی ہے تاکہ یہ لوگ اس کی آیات میں غور کریں اور ارشاد ہے کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے۔ اس مسنون قرأت کا طریقہ یہ ہے کہ تلاوت کرنے والے کا دل الفاظ قرآن کے معانی میں مشغول ہو چنانچہ وہ ہر آیت کے معنی کو سمجھے اور امر و نواہی میں غور کرے اور اسے اختیار کرنے کا ارادہ کرے۔"

قرآن کا چوتھا مطالبہ یہ ہے کہ قرآنی تعلیمات پر عمل کیا جائے، قرآن کے مطابق زندگی گزاری اور سنواری جائے۔ انفرادی اور اجتماعی، اخلاقی اور روحانی، معاشرتی اور اقتصادی و سیاسی زندگی کا لائحہ عمل اور دستور بنایا جائے، یعنی قرآنی احکام کو اپنے وجود اور سماج پر لاگو اور نافذ کیا جائے۔

وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ أَن يَعْبُدُوهَا وَأَنَابُوا إِلَى اللَّهِ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ (الزمر ۱۷)

(جن لوگوں نے طاغوت کی بندگی سے اجتناب کیا اور اللہ کی طرف رجوع کیا ان کے لیے خوش خبری ہے (اے نبیؐ) بشارت دے دو میرے ان بندوں کو جو بات کو غور سے سنتے ہیں اور اس کے بہترین پہلو کی پیروی کرتے ہیں)۔

چنانچہ قرآنی احکام کا جو پابند نہیں قرآن پر اس کا ایمان معتبر نہیں ما امن بالقرآن من استحل محارمہ[14] وہ قرآن پر ایمان نہیں لایا جس نے اس کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کر لیا۔ قرآن کے مطابق فیصلے کیے جائیں، قرآن کے مطابق حکومت کی جائے، قرآن کے مطابق اقتدار اور اطاعت کی جائے یعنی قرآن کو اپنی زندگی کا رہنما اصول بنا لیا جائے۔

قرآن کا پانچواں مطالبہ یہ ہے کہ لوگوں کو قرآن کی دعوت دی جائے اور اس کی تعلیم عام کی جائے قرآن اللہ کے بندوں کی ہدایت کے لیے ہے۔ اس لیے بندوں تک پہنچانا اس کا ضروری ہے۔ قرآن

کی تبلیغ واشاعت اسلام کا اہم ترین و عظیم الشان فریضہ ہے۔

أُوحِيَ إِلَيَّ هَٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُم بِهِ وَمَن بَلَغَ (انعام ۱۹)

(یہ قرآن میرے پاس بذریعہ وحی بھیجا گیا ہے تاکہ میں اس قرآن کے ذریعے تم کو اور جن جن کو یہ پہنچے متنبہ کروں)

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ (المائدہ ۶۷)

(اے رسولؐ جو کچھ تمھارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچا دو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اس کی رسالت کا حق ادا نہ کیا)

اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خيركم من تعلم القرآن وعلمه

"تم میں بہترین انسان وہ ہے جو قرآن کا علم حاصل کرتا ہے اور اسے لوگوں کو سکھاتا ہے"

قرآن صرف مسلمانوں کی ہدایت کا ذریعہ نہیں بلکہ انسانوں کی ہدایت کا صحیفہ ہے، اس لیے انسانوں کے بڑے طبقہ کا قرآن کے الفاظ و معانی اور مطالب و مفاہیم سے بے خبر رہنا حاملین قرآن کی کوتاہیوں کا واضح ثبوت ہے۔ خدا نہ کرے دعوت حق میں کوتاہی کتمان حق کے حدود میں داخل ہو جائے اور اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہمارا بھی مواخذہ کرے جن کے متعلق کہتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ (البقرہ ۱۵۹)

(جو لوگ ہماری نازل کی ہوئی روشن تعلیمات اور ہدایت کو چھپاتے ہیں حالانکہ ہم انھیں انسانوں کی رہنمائی کے لیے اپنی کتاب میں بیان کر چکے ہیں، یقین جانو کہ اللہ بھی ان پر لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت کرتے ہیں)۔

قرآن سے استفادہ کا صحیح طریقہ :

قرآن سے استفادہ کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ قرآن ہاتھ میں لیتے ہوئے انسان ظاہری و معنوی ہر لحاظ سے پاک ہو، یعنی وہ جسمانی طور پر بھی پاک ہو (لَا یَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ (اسے صرف پاک صاف لوگ ہی چھو سکتے ہیں) اور اس کی نیت بھی پاکیزہ ہو۔ قرآن اپنے سلسلہ میں وضاحت کرتا ہے یُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا (البقرہ ٢٦) (بہت سے لوگ اس سے ہدایت یاب اور بہت سے لوگ گمراہ ہوتے ہیں اور گمراہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی نیت میں کھوٹ اور فساد ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ کوئی غیر مسلم قرآن اس وقت تک نہ پڑھے جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائے۔ ایسے غیر مسلم جن کے دل میں تلاشِ حق کا جذبہ ہے وہ قرآن سے ضرور استفادہ کر سکتے ہیں اور انشاء اللہ قرآن ان کے ظرف کے مطابق رہنمائی کرے گا۔

پھر تلاوت کے آداب و ضوابط کا خیال رکھا جائے۔ مطلوب تو یہ ہے کہ عربی زبان اتنی سیکھ لی جائے جس سے قرآن کے سمجھنے میں سہولت ہو۔ لیکن اگر یہ سعادت میسر نہ ہو تو قرآن کی تلاوت کے ساتھ ترجمہ اور تفسیر کا بھی اہتمام کیا جائے۔

قرآن کریم کی کثرتِ تلاوت اور اس کے معانی سے مسلسل ربط کی وجہ سے قرآنی الفاظ و آیات کا فہم قاری پر آسان ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک شخص کے لیے یہ بھی ممکن ہو جاتا ہے کہ وہ کثرتِ مطالعہ کی وجہ سے قرآن فہمی میں مجرد عربی داں سے زیادہ معتبر ہو جاتا ہے جب کہ واقعہ یہ ہے کہ دین کا فہم وہی معتبر ہے جس کی اساس قرآن ہو اور سنتِ رسولؐ اس کی مؤید ہو۔

قرآن کریم سے استفادہ اور مطالعہ کی راہ میں دو رہبر موجود ہیں۔ ایک استاد دوسرے تفسیر، ان دونوں کی حقیقت یکساں طور پر صرف گائڈ کی ہے اور دونوں ہی کی ضرورت ہے۔ جن لوگوں کو اساتذہ سے قرآن کی تفسیر پڑھنے کا موقع ملا ہے ان کو تفسیر کی کتابوں سے غافل نہیں رہنا چاہیے کیونکہ بہت سے پہلو اس وقت تک واضح نہیں ہوں گے جب تک تفسیروں سے تعلق نہ رکھا جائے۔ اسی طرح جن لوگوں نے تفسیروں کی مدد سے قرآن کو پڑھا اور سمجھا ہے ان کے لیے بھی ناگزیر ہے کہ وہ معتبر علماءِ تفسیر سے استفادہ کریں کیونکہ بہت سے مسائل اور نکات آدمی صرف کتاب پڑھ کر نہیں سمجھ سکتا جب تک وہ کسی استاد سے

رجوع نہ کرے مگر علماء اور تفسیر دونوں کی حیثیت صرف رہبر کی ہے۔ قرآن فہمی کی راہ میں دونوں کے بعد ایک تیسرے رہنما کی ضرورت پیش آتی ہے۔ وہ ہے قرآن میں از خود غور و تدبر۔ یہ تیسرا رہنما ہے۔ اس سے مدد مذکورہ دونوں رہنماؤں کے بعد ہی لی جانی چاہیے ورنہ انسان کے اٹکنے اور بھٹکنے کا قوی امکان رہتا ہے۔ قرآن فہمی کی راہ میں یہ بڑا موثر اور معتبر رہنما ہے۔ جب تک غور و تدبر اور تفکر سے کام نہ لیا جائے، قرآن کی حلاوت، برکت اور لذت حاصل نہیں ہو سکتی اور قرآن کے معارف منکشف نہیں ہو سکتے۔

ڈاکٹر اقبال نے اپنے ایک شعر میں اس کی طرف یوں اشارہ کیا ہے ؎

چوں سر سر رازی راز دیدہ فرو شستم
اسرارِ جہاں دیدم پنہاں بکتاب اندر

اسلامی معاشرہ کی ضرورت :

ہم عصر مسلم معاشرہ میں جس چیز کا فقدان ہے وہ قرآن اور تلوار کا توازن ہے۔ کہیں تلوار ہے قرآن نہیں، اور کہیں قرآن ہے تلوار نہیں۔ تلوار کا مطلب لوہے کا ایک ٹکڑا نہیں بلکہ قوت نافذہ یا اجرائے احکام کی طاقت ہے، حالانکہ اسلامی معاشرہ میں ان دونوں قوتوں کی یکساں ضرورت ہے۔ بغیر تلوار کے قرآن کے احکام کاغذ کے مقدس نقوش رہ جاتے ہیں اور بغیر قرآن کے تلوار شر اور فساد کا ذریعہ بن جاتی ہے اس لیے مسلمانوں کو ان دونوں طاقتوں کو حاصل کرنے کی جدوجہد کرنی چاہیے۔

گفت اگر از رازِ من داری خبر سوئے ایں شمشیر و ایں قرآں نگر
ایں دو قوت حافظِ یک دگر اند کائناتِ زندگی را محور اند

حواشی

۱؎ بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب کیف نزل الوحی

۲؎ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، بیروت ۱۲/۳۱۳

۳؎ احمد بن حنبل، المسند ۲/۱۰۷ (مطبع درج نہیں)

۴؎ ابن تیمیہ، مجموع فتاوی ابن تیمیہ، دار العروبۃ، بیروت، ۱۳۹۸ھ، ۱۹/۸۳-۱۴

۵ بخاری، فضائل القرآن، باب من رایا بقراءۃ القرآن او تاکل بہ او فجر بہ۔

۶ ترمذی، ابواب فضائل القرآن، باب ماجاء فی سورۃ البقرۃ وآیۃ الکرسی۔

۷ ترمذی، ابواب فضائل القرآن، باب ماجاء فی من قرأ حرفاً من القرآن

۸ مسلم، کتاب الطہارۃ، باب فضل الوضوء

۹ ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ ۔۔۔۔ باب فضل من تعلم القرآن وعلم

۱۰ مسلم، (مقدمہ) باب تغلیظ الکذب

۱۱ بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب استذکار القرآن وتعاھدہ

۱۲ حاکم، المستدرک، کتاب فضائل القرآن، حیدرآباد ۱۳۴۲ھ

۱۳ بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب اقرؤا القرآن ما ائتلفت قلوبکم

۱۴ دارمی، کتاب فضائل القرآن، باب زینوا القرآن باصواتکم

۱۵ حاکم، المستدرک، ابواب فضائل القرآن،

۱۶ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی مصر ۱۹۷۸ء، ۱/۱۴۰

۱۷ ترمذی، ابواب فضائل القرآن، باب ماجاء فی من قرأ حرفاً من القرآن مالہ من الاجر

۱۸ بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب خیرکم من تعلم القرآن وعلّمہ

ترجمان القرآن

مولانا حمید الدین فراہیؒ کی فکری اور اصلاحی تحریک

اشتیاق احمد ظلی

۸-۱۰ اکتوبر ۱۹۹۱ء کو مدرسۃ الاصلاح میں مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات، افکار اور خدمات پر ایک سہ روزہ سمینار کا انعقاد ہوا۔ اس موقع پر راقم الحروف نے خطبۂ استقبالیہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کی، جس میں مولانا فراہیؒ کے علمی اور اصلاحی کارناموں کا ایک مختصر تجزیہ پیش کیا گیا تھا۔ عمومی دلچسپی کے پیش نظر اسے یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

محترم مہمان خصوصی، جناب صدر، مہمانانِ گرامی اور حاضرین کرام،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

امام فراہی سیمینار کے موقع پر مدرسۃ الاصلاح میں آپ کو خوش آمدید کہتے ہوئے دل تشکر و مسرت کے دوگونہ احساس سے لبریز ہے۔ تشکر اس لیے کہ آپ نے اپنے نہایت قیمتی اور مصروف اوقات کو فارغ کر کے یہاں آنے کی زحمت گوارا فرمائی تاکہ آپ کتاب اللہ کے ایک خادم کو اپنی عقیدت و محبت کا نذرانہ پیش کر سکیں جس نے اپنی پوری زندگی اور اپنی تمام تر صلاحیتیں کتاب عزیز کی خدمت کے لیے وقف کر دی تھیں۔ بلاشبہ یہ خود آپ کی قرآن مجید اور علوم قرآن سے گہری وابستگی کی دلیل ہے۔ مسرت اس لیے کہ آپ کی تشریف آوری نے آج اس قدیم دینی درسگاہ کو جسے فکر فراہی کا امین ہونے کا شرف حاصل ہے، حیات نو اور نشاط تازہ سے ہمکنار کیا ہے۔ آپ کے جلو میں آج اس ویرانے میں بہاروں کے قافلے اترے ہیں اور اس کا ذرہ ذرہ بہرہ مندی کے احساس سے سرشار ہے۔ آج کا دن مدرسۃ الاصلاح کی تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھا جانے والا دن ہے جب اس کے ابنائے قدیم کی دعوت پر نہ صرف ملک کے گوشے گوشے سے بلکہ بیرون ملک

سے اہل علم و دانش کھنچ کر یہاں جمع ہوئے ہیں تا کہ اس یگانہ روزگار شخصیت کے افکار و تحقیقات پر اظہار خیال کریں جو اس درس گاہ کا فکری سرچشمہ ہے اور جس کے بتائے اور سکھائے ہوئے منہج اور اصولوں کے مطابق کتاب اللہ کی تعلیم و تعلم اس کا نشانِ امتیاز رہا ہے۔ آپ کی اس عنایت فرمائی اور کرم گستری کے لیے ہم سراپا سپاس ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ یہ تقریب سعید مدرسۃ الاصلاح اور فکر فراہی دونوں ہی کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت اختیار کر جائے اور اس سے ایک ایسی تحریک کی داغ بیل پڑ جائے جس کے ذریعہ ان کاموں کی تکمیل کے لیے ضروری ساز و سامان فراہم ہونے کی سبیل پیدا ہو جائے جو ابھی نامکمل ہیں اور ان خوابوں کے پورے ہونے کی صورت نکل آئے جو ہنوز تشنۂ تعبیر ہیں۔ آمین۔

مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ (۱۸۶۳-۱۹۳۰ء) جن کا مولد و منشا موضع پھریہا یہاں سے صرف سات میل مشرق میں واقع ہے، اللہ کی آیتوں میں سے ایک آیت تھے۔ مبدأ فیض سے انہیں دل و دماغ کی غیر معمولی صلاحیتیں عطا ہوئی تھیں۔ ان کی ذاتِ والا صفات میں اتنے متنوع اور گوناگوں اوصاف و کمالات جمع ہو گئے تھے جن کا کسی فرد واحد کے اندر پایا جانا نوادرات میں شمار کیا جائے گا۔ قدیم صالح اور جدید نافع کے باہمی امتزاج کا ایسا دلکش متوازن اور مثالی نمونہ جس کی نظیر اُس زمانے میں تو کجا اِس عہد میں بھی مشکل۔ ان کی سادگی و قناعت پسندی، اخلاص و للّٰہیت، زہد و تقویٰ، عبادات میں انہماک اور نام و نمود سے دوری و بیزاری کو دیکھ کر اسلاف کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ ان کے علمی اکتسابات اور تحقیقی فتوحات کو دیکھا جائے تو یقین نہیں آتا کہ اتنے مختلف النوع موضوعات پر اتنی وسعت معلومات، مہارت فن، دقت نظر اور مجتہدانہ شان سے کسی فرد واحد نے لکھا ہے۔ فلسفہ کے پیچیدہ مباحث ہوں یا ادب عالیہ کی تخیل آفرینی، نحو کے خشک مسائل ہوں یا فن بلاغت کی نکتہ سنجی، توریت و انجیل کی تحریفات زیر بحث ہوں یا عبرانی زبان و بیان کی باریکیاں حرف حرف نپا تلا، کوثر و تسنیم میں دھلا، لب و لہجہ متین و شائستہ اور فکر و نظر کی رفعت و عظمت کا آئینہ دار، اطناب و طول بیان سے یکسر خالی، تعریف و تنقید دونوں متوازن اور افراط و تفریط سے پاک، اسلوب بیان سادہ و موثر اور ایسا دل نشین کہ بات دل میں اتر تی چلی جائے، ہر بحث اپنے اندر ایک نیا جہان معنی سمیٹے ہوئے جس سے نہ تو جی بھرے نہ آنکھیں سیر ہوں۔

اگرچہ مولانا فراہیؒ کے تبحر علمی اور جلالت شان کا عالم یہ ہے کہ انہوں نے جس موضوع پر بھی قلم اٹھایا اس کا حق ادا کر دیا اور علم و حکمت کے ایسے ایسے موتی چن کے لائے گویا یہی موضوع ان کا موضوع اختصاص تھا اور اسی کی تحصیل ان کا حاصل زندگی۔ لیکن حق یہ ہے کہ ان کا اصل میدان کار، جہاں ان کی ژرف نگاہی، جولانی فکر اور مجتہدانہ شان اپنے منتہائے کمال پر نظر آتی ہے، قرآنیات کا موضوع ہے۔ انہیں کتاب اللہ سے محبت تھی۔ یہی کتاب عزیز ان کی سوچ کا مرکز اور ساری دلچسپیوں اور فکری کاوشوں کی محور تھی۔ کتاب الٰہی پر غور و خوض اور تدبر و تفکر کے لیے انہوں نے اپنی پوری زندگی وقف کر دی تھی اور اسی کو اپنا مقصد حیات بنا لیا تھا۔ انہوں نے جن علوم و فنون میں مہارت حاصل کی اور جن موضوعات پر بھی لکھا سب کا مقصد وحید صرف اور صرف یہ تھا کہ اس سے قرآن فہمی کی راہ آسان ہو اور اس کتاب عزیز کے معارف و حکم تک رسائی کا راستہ ہموار ہو۔ سب کچھ اسی مقصد اصلی تک رسائی کو ممکن اور آسان بنانے کے لیے۔ بجائے خود وہ مقصود کبھی بھی نہیں تھے بلکہ ایک اعلیٰ و ارفع مقصد تک پہونچنے کا وسیلہ و ذریعہ۔ ان کی ساری زندگی کی جملہ تگ و دو اور کوشش و کاوش کا مطمح نظر اس کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اور یہ سب کچھ جس لگن، بے نفسی اور بے لوثی سے کیا وہ صرف ایک سچے خادم قرآن ہی کا مقدر ہو سکتا تھا۔

مولانا فراہی کی شخصیت کی اٹھان کا اگر جائزہ لیا جائے تو صاف محسوس ہوگا کہ وہ ابتدا ہی سے عام روش سے الگ اور ایک امتیازی شان کے مالک تھے۔ پھر انتظام قدرت کچھ ایسا تھا کہ ان کی خداداد صلاحیتوں کو ابھرنے اور نکھرنے کے مواقع ملتے چلے گئے۔ دس سال کی عمر میں کتاب اللہ کے حافظ ہو چکے تھے۔ ۱۱ سال کی عمر میں فارسی زبان و ادب کے ذوق آشنا ہوئے اور جب عمر عزیز کے بیس سال پورے ہوئے تو عربی زبان و ادب اور اسلامی علوم میں دستگاہ کامل حاصل کر چکے تھے۔ ان علوم میں انہوں نے جن اساطین سے اکتساب فیض کیا ان میں سرفہرست ان کے بھائی علامہ شبلی کا نام نامی ہے جن کی تعلیم و تربیت نے ان کی فطری صلاحیتوں کو بیدار کیا اور انہیں علوم عالیہ سے روشناس کیا۔ اس سلسلۃ الذہب کے دوسرے قابل ذکر نام مولانا فاروق چریاکوٹی، مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی اور مولانا فیض الحسن سہارنپوری جیسے یگانہ روزگار علماء و محققین کے ہیں۔

لیکن قسام ازل نے ان کے لیے جو خدمت مقدر کی تھی اس کے لیے اتنی تیاری کافی نہ تھی۔ انہیں عہد حاضر میں ترجمانی قرآن کے جس عظیم الشان منصب پر فائز ہونا تھا اس کے لیے ضروری تھا کہ نہ صرف جدید علوم و فلسفہ اور معاصر علمی رجحانات سے بھی پوری طرح واقفیت بہم پہونچائی جائے بلکہ ان میں کامل دستگاہ حاصل کی جائے۔ گذشتہ چند صدیوں میں مغربی اقوام نے علم و تحقیق کے میدان میں غیر معمولی اکتسابات کیے تھے۔ ان سے واقفیت کے بغیر نہ تو زمانہ کی نبض پہچاننا ممکن تھا اور نہ اہل زمانہ سے ان کے اپنے اسلوب میں اور ان کی اپنی ذہنی و عقلی سطح پر گفتگو کا کوئی امکان ہو سکتا تھا۔ گذشتہ چند صدیوں میں بالعموم اور انیسویں صدی میں بالخصوص اپنے استعماری مفادات و مصالح کے پیش نظر اسلامیات کے مختلف موضوعات میں مغربی اقوام کی دلچسپی میں غیر معمولی اضافہ ہوا تھا۔ انیسویں صدی کے اواخر تک ان علوم سے متعلق مغربی تحقیقات میں خاصی تیزی آچکی تھی۔ یہ تحقیقات بیشتر معاندانہ تھیں اور ان کا بنیادی مقصد مسلمانوں کی نظریاتی اور فکری اساس کو کمزور کرنا تھا۔ مغربی دانشوری نے علم و تحقیق کی دلکش اصطلاحوں کی آڑ میں دجل و فریب کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ سیاسی اور عسکری محاذ پر شکست کھانے کے بعد اب مسلمان بالخصوص ان کی نئی نسل جو مغربی نظام تعلیم کی پروردہ تھی، بری طرح اس فکری یلغار کی زد میں تھی اور اس سے ان کی حفاظت ایک مذہبی اور ملی فریضہ کا درجہ حاصل کر چکی تھی۔ لیکن اس فریب کا پردہ چاک کرنے کے لیے اس سے بھرپور واقفیت حاصل کرنا ضروری تھی۔ کارکنان قضا و قدر نے اس عظیم الشان ملی فریضہ کی ادائگی کی سعادت مولانا فراہی کے لیے مقدر کر دی تھی۔

چنانچہ اسلامی علوم میں بہرۂ کامل حاصل کرنے کے بعد وہ جدید تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان کی زندگی کا یہ مرحلہ اگرچہ ۱۸۸۵ء سے ۱۸۹۵ء تک ۱۰ سال پر محیط ہے لیکن اس سلسلہ میں بنیادی اہمیت ۱۸۹۱ء سے ۱۸۹۵ء تک کے عرصہ کو حاصل ہے جب وہ اس مقصد سے علی گڑھ میں مقیم تھے۔ یہ زمانہ ان کی زندگی میں ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ وہ جب وہاں پہونچے تو علمی اور ذہنی حیثیت سے اس سطح پر پہونچ چکے تھے جہاں مغربی علوم اور تہذیب کے منفی اثرات سے انہیں کوئی اندیشہ نہیں ہو سکتا تھا۔ ان دنوں علی گڑھ ایک ابھرتی ہوئی تحریک کا مرکز ہونے کے ناطے زندگی کے ولولوں اور سرگرمی کی آماجگاہ تھا۔ ملک کے طول و عرض سے باصلاحیت اور حوصلہ مند

نوجوان علی گڑھ کا رخ کر رہے تھے۔ ہر کوئی کچھ بن جانے، کچھ پا لینے، کچھ کر لینے کی دھن میں سرگرداں، ہر شخص شہید آرزو، ہر فرد قتیل جستجو۔ ان دنوں کا علی گڑھ ایک خوابوں کا شہر نظر آتا ہے جہاں ناممکن بھی ممکن نظر آتا ہے۔ اس بزم علم و دانش کا تصور کیجئے جہاں صدر نشین خود سرسیّد ہوں، ان کے دائیں ہندوستانی مسلمانوں کے معلم اول شبلی نعمانی ہوں اور بائیں مغربی عقلیت کی بہترین روایات کے پاسدار و ترجمان، فلسفی اور محقق پروفیسر آرنلڈ اور پھر اصحاب علم و اہل دانش قطار اندر قطار۔ کیسا علم پرور اور ذہن و دماغ کو جلا بخشنے والا ماحول رہا ہوگا۔ ایسا ماحول اگر فراہی کے مرتبہ کے طالب علم کو میسر آئے، جن کی علمی استعداد اور مشرقی علوم میں مہارت کا اعتراف خود سرسید کو تھا چنانچہ ان کو نہ صرف عربی اور فارسی کے مضامین سے مستثنیٰ قرار دے دیا تھا بلکہ کالج کے نصاب کے لیے دو کتابیں ان سے فارسی میں ترجمہ کروائیں، تو اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ جن مقاصد کے لیے علی گڑھ آئے تھے ان کے حصول میں کس حد تک کامیاب ہوئے ہوں گے۔

چنانچہ مولانا فراہی کے علمی و ذہنی سفر میں علی گڑھ کو ایک اہم پڑاؤ کی حیثیت حاصل ہے۔ یہاں وہ نہ صرف عصری علوم سے آشنا ہوئے بلکہ عصری اسلوب و مزاج اور عصری انداز تحقیق و ترسیل سے پوری واقفیت بہم پہونچائی۔ یہیں انگریزی زبان پر عبور حاصل کیا اور فلسفہ جدید کے ذوق آشنا ہوئے اور یہیں اپنے بعد کے قیام میں انہوں نے عبرانی زبان سیکھی اور یہ سب کچھ اس وقت اور اس زمانہ میں جب دینی حلقوں میں یہ چیزیں شجر ممنوعہ کی حیثیت رکھتی تھیں۔ ان عناصر کو مولانا فراہی کی شخصیت کی تشکیل میں جو اہمیت حاصل ہے اس سے اہل نظر بخوبی واقف ہیں اور جس عظیم الشان علمی، فکری اور اصلاحی تحریک کو برپا کرنے کی سعادت ان کے لیے مقدر ہو چکی تھی اس کے لیے ضروری ساز و سامان کی فراہمی کے سلسلہ میں علی گڑھ کا جو کلیدی کردار رہا ہے وہ بھی اہل علم سے مخفی نہیں۔ مولانا کی شخصیت اور افکار پر علی گڑھ کے اثرات کا ابھی تک کوئی باقاعدہ جائزہ نہیں لیا گیا ہے۔ بہرحال یہ امر واقعہ ہے کہ قدیم و جدید کا جیسا مجمع البحرین ان کی ذات والاصفات میں نظر آتا ہے اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ علی گڑھ کے طلبہ نے علوم جدیدہ کے علاوہ اسلامیات کے مختلف موضوعات پر بھی بہت اہم اور قابل قدر اکتسابات کیے ہیں اور برصغیر کے مسلمانوں کی علمی و فکری نشو و نما میں ان کا بڑا اہم حصہ رہا ہے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ابھی تک علی گڑھ کے کسی طالب علم کو خالص دینی

علوم میں مولانا فراہی کی طرح امامت کا درجہ نصیب نہیں ہوا۔

قرآن مجید کے مطالعہ سے شغف اور اس میں تدبر و تفکر کی ابتدا ء بھی علی گڑھ کے زمانۂ طالب علمی میں ہوئی اور پھر یہی مقصدِ زندگی بن گیا۔ عمر عزیز کے اگلے چالیس سال ان کی ساری دلچسپیوں اور کاوشوں کا مرکز و محور یہی کتاب الٰہی تھی۔ اس کے معارف و حِکَم تک رسائی کی کوشش اور اس کے معانی و مفاہیم میں تدبر و تفکر ہی ان کا وظیفہ حیات بن گیا۔ قرآن مجید سے اس والہانہ وابستگی و شیفتگی اور اس پر مسلسل غور و فکر کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل خاص سے نوازا اور ان کے لیے فہم قرآن کی راہ آسان کر دی اور انہیں یہ توفیق بخشی کہ وہ ان اصول و مبادی کی بازیافت اور تنقیح و تنظیم کر سکیں جو کتاب اللہ کے فہم کے لیے کلید کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس نظام فکر میں اساسی اہمیت ان کے تصور نظم قرآن کو حاصل تھی۔ مولانا فراہی سے پہلے بھی متعدد علماء ایسے گذرے ہیں جو علم مناسبت یا نظم کے قائل رہے ہیں اور اس موضوع پر انہوں نے بہت کچھ قابل قدر کام کیا ہے خود مولانا نے "مقدمہ نظام القرآن" میں ان علماء محققین کی خدمات کا واضح طور پر اعتراف کیا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی امر واقعہ ہے کہ مولانا فراہی سے پہلے کسی نے نظم قرآن کا اتنا جامع اور وسیع تصور پیش نہیں کیا۔ یہ شرف بارگاہ رب العزت سے ان کے لیے مخصوص کر دیا گیا تھا کہ وہ نہ صرف اس انقلاب آفریں تصور کو پیش کریں بلکہ عملی طور پر اسے برتنے اور اس طرح قرآن مجید پر تدبر کرنے والوں کے لیے ایک نمونہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کریں۔ وَذَالِکَ فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء۔

مولانا فراہی سے پہلے کسی نے قرآن مجید کو اس طور پر ایک منتظم کتاب کی حیثیت سے پیش نہیں کیا جس کی ہر آیت اپنے ماقبل و مابعد سے مربوط اور تمام سورتیں ایک دوسرے سے مکمل طور پر مرتبط ہوں۔ دوسرے قائلین نظم کی طرح مولانا فراہی صرف "مناسبت" کے قائل نہیں ہیں بلکہ ان کے نزدیک نظم کا مفہوم نہایت وسیع ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید اپنی ہیئت، ترکیب، معنی و مواد اور موضوع کے لحاظ سے ایک منتظم کلام ہے۔ اس حقیقت کو جہاں انہوں نے نہایت قوی عقلی و نقلی دلائل و براہین سے ثابت کیا وہیں متعدد سورتوں کی تفسیر میں عملی طور پر بھی اس نظریہ کو برتا اور ہر سورہ کا ایک مرکزی مضمون (عمود) متعین کر کے اس کے تحت آیتوں کا باہمی ربط و اتصال اس طرح واضح کرتے ہیں اور تمام آیتوں کو باہم اس طرح جڑا ہوا اور منتظم دکھاتے ہیں کہ ایک آیت کو بھی بیچ سے

نکال دیا جائے تو پوری سورہ کا نظم درہم برہم ہو جائے۔ اسی طرح انہوں نے قرآن مجید کی مختلف سورتوں کے ربط کی نشاندہی کی۔ اس طرح ان کی تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا کہ نظم کلام کا ایک جزء ہوا کرتا ہے اور اگر اس کو چھوڑ دیجئے تو کلام کے معنی و مفہوم کا ایک حصہ غائب ہو جائے گا۔ ترکیب میں ایک زائد حقیقت ہوتی ہے جو ایک چیز کے متفرق اجزاء میں الگ الگ نہیں ہوا کرتی ۔۔۔۔ اس سبب سے اگر کوئی شخص فہم نظام سے محروم رہ جائے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ خود کلام کی ایک بڑی حقیقت اس کی نگاہوں سے اوجھل رہ گئی۔"

چنانچہ مولانا فراہی کے نزدیک قرآن کے صحیح فہم کی کلید نظم قرآن میں پوشیدہ ہے اور اس کے بغیر اس کے معارف و حِکَم تک رسائی ممکن نہیں ہے۔ اس کی طرف سے بے اعتنائی نے ایک طرف تو تفسیر و تاویل میں غیر معمولی اختلافات کو جنم دیا کیوں کہ تاویل کا بیشتر اختلاف نتیجہ ہے اس بات کا کہ لوگوں نے آیات کے اندر نظم کا لحاظ نہیں رکھا۔ اگر نظم کلام ظاہر ہوتا اور سورہ کا عمود یعنی مرکزی مضمون واضح طور پر سب کے سامنے ہوتا تو تاویل میں کسی طرح کا اختلاف نہ ہوتا اور سب ایک ہی جھنڈے کے نیچے جمع ہوتے اور سب کے منھ سے ایک ہی صدا بلند ہوتی۔" دوسری طرف اسی راہ سے امت کے اندر باہمی اختلاف و افتراق اور عداوت و منافرت کے اسباب پیدا ہوئے۔ "ممکن ہے یہ عداوت و بغض جس کی وبا آج مسلمانوں میں پھوٹ پڑی ہے اسی بات کا نتیجہ ہو کہ ہم نے نظم قرآن کو نظر انداز کر کے خود قرآن کے ایک حصہ کو نظر انداز کر دیا ہے۔" ان سب الجھنوں سے نجات کی صورت صرف یہ ہے کہ نظم قرآن کے سررشتہ کو مضبوطی سے تھام لیا جائے۔

(ب)

مولانا فراہی نے تاریخ اسلام کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور مسلمانوں کے عروج و زوال کے اسباب و عوامل کا بڑی باریک بینی سے تجزیہ کیا تھا۔ اس کے علاوہ قرآن سے گہرے شغف اور اس پر مسلسل تدبر و تفکر کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک خصوصی بصیرت سے نوازا تھا۔ اس مطالعہ و تجزیہ اور قرآنی بصیرت کی روشنی میں وہ اس نتیجہ تک پہونچے کہ امت مسلمہ کو ذلت و نکبت کے گرداب سے نکالنے کی صرف ایک سبیل تھی اور وہ سبیل یہ تھی کہ امت پھر اپنی اصل کی طرف لوٹے اور اپنے تمام معاملات کی تنظیم قرآن و سنت کی بے آمیز تعلیمات کے مطابق اور ان کی روشنی میں کرے۔ اس سلسلہ میں کسی مصلحت کوشی، معذرت خواہی یا مصالحت آمیزی کی گنجائش نہیں تھی۔ اس مقصد کے حصول کے

لیے انہوں نے ایک عظیم الشان فکری، علمی اور اصلاحی تحریک کا منصوبہ بنایا۔ ان کے پیش نظر ایک ہمہ گیر اور وسیع نقشہ کار تھا۔ یہ صرف ایک علمی و تحقیقی منصوبہ نہیں تھا بلکہ اصلاح امت کی ایک انقلاب آفریں کوشش تھی۔ بنیادی طور پر یہ تحریک تین اجزاء ترکیبی سے مرکب تھی اور تینوں اجزاء اپنی اپنی جگہ پر غیر معمولی اہمیت کے حامل تھے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلا اور سب سے اہم کام جو مولانا کے پیش نظر تھا وہ یہ تھا کہ ان اصول و مبادی کے مطابق جن کی تنقیح و تنظیم کی سعادت ان کو حاصل ہوئی، قرآن مجید کی ایک تفسیر لکھی جائے اس لیے کہ مسلمانوں کی جملہ خرابیوں کی بنیاد قرآن مجید سے دوری اور اس سے تعلق میں کمزوری تھی۔ اس بنیادی فساد کی اصلاح کے لیے ضروری تھا کہ قرآن مجید کے صحیح فہم تک ان کی رہنمائی کی جائے اور اس راہ کی مشکلات کو آسان کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس تفسیری منصوبہ میں بنیادی اہمیت ان کے تصور نظم قرآن کو حاصل تھی جس کے بغیر ان کے خیال کے مطابق قرآن مجید کے صحیح فہم تک رسائی ممکن نہ تھی۔ اگرچہ ان کو اتنی مہلت تو نہ ملی کہ اس نہج اور انداز پر قرآن مجید کی پوری تفسیر لکھ سکتے۔ البتہ کچھ سورتوں کی تفسیر لکھ کر انہوں نے نہایت کامیابی سے اس تفسیری منہج کا عملی نمونہ پیش کر دیا۔ اس کے علاوہ قرآن مجید پر ان کے حواشی اور اس موضوع پر ان کی جستہ جستہ تحریریں اس طریق تفسیر کی معنویت، افادیت اور اہمیت کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں اور اب "تدبر قرآن" کی اشاعت کے بعد مولانا فراہی کے تفسیری اصولوں خصوصاً ان کے تصور نظم قرآن کا ایک نہایت دلآویز مرقع علمی دنیا کے سامنے آگیا ہے۔

اس علمی اور اصلاحی تحریک کا دوسرا جزو ترکیبی علوم کی تطہیر اور تشکیل جدید تھی۔ ان کی ایمانی بصیرت نے یہ راز پالیا تھا کہ امت کے اخلاقی زوال اور فکری انحطاط و اضمحلال کی بہت بڑی وجہ وہ غیر اسلامی فکری اور تہذیبی عناصر تھے جو مختلف ادوار میں غیر محسوس طور پر مسلمانوں کے فکری دھاروں میں شامل ہو گئے تھے۔ ملت کو درپیش متعدد اہم نظریاتی مسائل کی بہت کچھ ذمہ داری فکر اسلامی میں نفوذ کر جانے والے انہیں غیر اسلامی عناصر پر عائد ہوتی تھی۔ یہ سلسلہ ایک زمانے سے جاری تھا اور یہ غیر اسلامی عناصر فکر اسلامی کے مختلف دھاروں میں اس طرح رچ بس گئے تھے کہ ان کی شناخت نہایت مشکل تھی اور یہ جسد ملی کے لیے سخت مضرت کے باعث تھے۔ ان سے نجات حاصل کیے بغیر اصلاح احوال کی کوئی مستقل اور پائدار صورت ممکن نہیں تھی۔ اس مقصد کے حصول کی صرف یہی صورت ہو سکتی تھی

کہ فکر اسلامی کو پھر سے صحیح بنیادوں پر تشکیل دیا جائے اور اسے بے آمیز قرآنی تعلیمات کی اساس پر از سر نو استوار کیا جائے۔ یہ بجائے خود بہت بڑا منصوبہ تھا اور واقعہ یہ ہے کہ اس کے لیے ایک نہیں متعدد اکیڈمیوں کی ضرورت تھی اور ساتھ ہی ساتھ غیر معمولی وسائل کی بھی۔ اس وسیع الاطراف منصوبہ کی تکمیل کی مہلت تو انہیں نہیں ملی پھر بھی اس سلسلہ میں بہت کچھ بنیادی نوعیت کا کام انہوں نے پورا کر لیا تھا جس سے اس عظیم الشان منصوبہ کے خد وخال واضح طور پر سامنے آگئے تھے۔ جمہرۃ البلاغہ مفردات القرآن، فی ملکوت اللہ اور القائد الی عیون العقائد نیز اس نوع کی بعض دوسری کتابیں جو منظر عام پر آچکی ہیں اس جہت میں نہایت اہم پیش رفت کی حیثیت رکھتی ہیں اور ان کے محتویات و مباحث سے اس منصوبہ کی نوعیت اور علوم اسلامی کی تشکیل جدید کے تناظر میں ان کی غیر معمولی اہمیت کا کسی حد تک اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ اس نوعیت کے بے شمار موضوعات پر انہوں نے ناتمام مسودات یادگار چھوڑے ہیں جن سے بخوبی یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس سلسلہ میں کتنا وسیع منصوبہ ان کے پیش نظر تھا اور اصلاح امت کے سلسلہ میں ان کے نزدیک اس کام کو کس قدر اساسی اہمیت حاصل تھی۔ آج دنیائے اسلام کے مختلف گوشوں میں علوم کی اسلامی بنیادوں پر تطہیر اور تشکیل جدید (Islamization of Knowledge) کی جہت میں جو زبردست کوششیں ہو رہی ہیں اس کی ناگزیر ضرورت کا احساس مولانا نے تقریباً ایک صدی پہلے کر لیا تھا۔ بلاشبہ دور حاضر میں وہ پہلے شخص تھے جس نے اس جہت سے اور اس سطح پر مسلم معاشرہ کو غیر اسلامی فکری تسلط سے نجات دلانے کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا اور اس باب میں اساسی اہمیت کا بہت کچھ کام بھی پورا کر لیا تھا۔ یہ ان کی بصیرت اور بالغ نظری کی واضح دلیل ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس باب میں مولانا کی تحقیقات کی صحیح قدر وقیمت کا تعین کیا جائے اور اس ادھورے کام کی تکمیل کی طرف توجہ دی جائے۔

اس انقلابی تحریک کا تیسرا اور آخری جزء نظام تعلیم کی اصلاح اور اس کو نئے خطوط پر استوار کرنا تھا۔ یہاں بھی بنیادی کوشش یہ تھی کہ دینی تعلیم کا نظام و نصاب اس طرح وضع کیا جائے کہ اصل اپنی جگہ پر قائم رہے اور فرع اس کی جگہ نہ لے لے۔ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ اس مجوزہ تعلیمی پالیسی میں قرآن مجید کو اصل کا مقام دیا جائے اور دوسرے تمام علوم اسی آفتاب عالم تاب کے گرد

گھڑی میں۔ مدرسۃ الاصلاح کی خوش بختی تھی کہ مولانا نے اپنے اس تخیل کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اسے منتخب کیا۔ مدرسہ ۱۹۰۸ء میں ایک اصلاحی تحریک انجمن اصلاح المسلمین کے زیر اثر وجود میں آیا تھا۔ یہ انجمن ۱۹۰۶ء میں اس دیار کے مسلمانوں کی دینی اور معاشرتی اصلاح کے لیے قائم کی گئی تھی۔ مولانا کا اس مدرسہ سے بالکل ابتدا ہی سے تعلق تھا۔ پھر ۱۹۱۶ء میں وہ اس کے ناظم مقرر ہوئے اور چند سال تک یہ ذمہ داری حیدر آباد رہتے ہوئے انجام دیتے رہے اور بالآخر ۱۹۱۹ء وہاں سے سبکدوش ہو کر اور ہر طرف سے یکسو ہو کر اس ابدی خدمت میں مشغول ہو گئے اور ۱۹۳۰ء میں اپنے انتقال تک اسی گوشۂ فقر میں گوشہ نشین رہے۔ اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک بحیثیت ناظم اس کی خدمت کی۔ اس کے اغراض و مقاصد کا مکمل خاکہ تیار کیا، اس کے لیے نصاب تعلیم تجویز کیا، یہاں کے اساتذہ کی ایک جماعت کو اپنی نگرانی میں مختلف علوم و فنون کی تدریس کے لیے تیار کیا، قرآن مجید کو پڑھنے اور اس پر غور و فکر کے طریقے سکھائے۔ اس طرح عمر عزیز کے آخری دس سال سے زیادہ کا عرصہ انھوں نے اس مدرسہ کی تعمیر و ترقی اور اس کو اپنے خاص تعلیمی نقطۂ نظر کے مطابق ڈھالنے میں صرف کیا۔ اس طرح یہ مدرسہ ان کے تعلیمی تخیل کا ایک جیتا جاگتا نمونہ ہے۔ چنانچہ ان کی تعلیمی پالیسی کے خد و خال کو متعین کرنے کے لیے اس مدرسہ کے نظام تعلیم و تربیت کا مطالعہ کرنا چاہیے کیونکہ یہ مدرسہ اصلاحِ نصاب کی اس تحریک کا نقطۂ آغاز بھی ہے اور اس کا عملی مظہر بھی۔

اس مدرسہ کے نظام تعلیم و تربیت کے متعلق جو اصول و مقاصد ان کے پیشِ نظر تھے ان کا خلاصہ آپ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تاکہ آپ اندازہ فرماسکیں کہ وہ کس نہج پر اس کو پروان چڑھانا چاہتے تھے۔ ان کے تخیل کے مطابق اس مدرسہ کا نظام تعلیم اس طرح استوار ہونا تھا کہ اس کا بنیادی مقصد قرآن مجید کی محققانہ تعلیم ہو۔ اس کے بعد حدیث اور فقہ پر زور دیا جائے۔ منطق، فلسفہ اور علم کلام کی غیر ضروری کتابیں نصاب سے نکال دی جائیں اور ان کی جگہ ادب عربی کی تعلیم دی جائے۔ مطمح نظر اصل علم و قابلیت ہو نہ کہ کوئی محدود نصاب کتب سوائے قرآن مجید اور متون حدیث کے۔ حدیث کی تعلیم جماعتی عصبیت سے پاک ہو۔ فقہ میں فقہ اسلامی پڑھائی جائے تاکہ طلبہ میں وسعتِ نظر اور رواداری پیدا ہو اور ان کے اندر تکفیر و تفسیق اور فضول مذہبی منافقتات کا کوئی ولولہ نہ ابھرے۔ صرف و نحو کی تعلیم عملی ہو۔ فنون کی تعلیم میں امہاتِ فن پیشِ نظر رہیں اور فن کے ساتھ اصول فن کو بھی اہمیت دی

جائے، درس دینے میں لکچرز کا طریقہ استعمال کیا جائے۔ بقدر ضرورت انگریزی بھی پڑھائی جائے۔ حالات اجازت دیں تو حصول معاش کے لیے مفید صنعتیں بھی ضرور سکھائی جائیں۔ مدت تعلیم کم سے کم ہو اور نرخ تعلیم انتہائی حد تک ارزاں۔ یہ مدرسہ اہل سنت والجماعت کے مختلف مذاہب کا سنگم ہو۔ یہاں حنفی اور اہل حدیث دونوں رہیں۔ ندوی اور دیوبندی سب تعلیم دیں۔ جزئیات کے اختلاف کے باوجود سلف کے طریقہ پر شیر و شکر ہو کر رہیں اور مسلمانوں کے فضول باہمی اختلاف کو مٹا دیں۔ اس مدرسہ کو صرف مسلمانوں کی اعانت سے چلایا جائے اور سرکاری اثر سے دور رکھا جائے اس لیے کہ آزادی اور دینی روح کا تحفظ اس کے لیے اصل الاصول کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ سادگی اور قناعت پسندی شروع ہی سے اس مدرسہ کے امتیازی نشان رہے ہیں۔ مسلمانوں کی بنیادی تعلیمی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے یہ موزوں ترین لائحہ عمل تھا جس میں اسلامی روحانیت کے ساتھ ساتھ عصری تقاضوں کی بھی رعایت رکھی گئی تھی۔

مولانا فراہی کے انتقال کو نصف صدی سے زائد کا عرصہ گذر چکا ہے لیکن یہ مدرسہ ابھی تک اپنی وسعت و استطاعت کی حد تک ان زریں اصولوں کو سینے سے لگائے ہوئے ہے اور اس کی تعلیمی پالیسی ابھی تک انہیں خطوط پر گامزن ہے جو اس کے فکری کونسل نے اس کے لیے تجویز کی تھیں۔ اپنی تمام ترکمیوں، نارسائیوں اور تیزی سے بدلتے ہوئے حالات کے بڑھتے ہوئے دباؤ کے باوجود شعوری طور پر اس مدرسہ نے اب تک اس پالیسی سے انحراف نہیں کیا ہے۔ اس مرکز علم و دانش کا فیض جاری ہے اور تشنگان علم اس سرچشمہ فراہی سے برابر اپنی پیاس بجھا رہے اور شاد کام و سرفراز ہو رہے ہیں۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ مسلمانوں کی دینی، فکری اور علمی نشاۃ ثانیہ کے لیے مولانا فراہی نے کتنی عظیم الشان اور کثیر الاطراف انقلابی تحریک کا منصوبہ تیار کیا تھا اور اس سلسلہ میں بہت کچھ بنیادی اہمیت کا کام مکمل بھی کر لیا تھا۔ بدقسمتی سے یہ تحریک اپنی پوری قوت اور جملہ امکانات و مضمرات کے ساتھ ہنوز روبہ عمل نہیں آسکی ہے تاہم اس میں بھی کوئی شبہ نہیں گذشتہ نصف صدی میں بالخصوص برصغیر میں برپا ہونے والی علمی اور فکری اسلامی تحریکوں پر اس کے بڑے دوررس اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ چنانچہ اب جب کہ مولانا فراہی کو اس دنیا سے رخصت ہوئے ساٹھ سال سے

اوپر کا عرصہ گذر چکا ہے شدت سے اس بات کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ سنجیدگی سے اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ اس طویل عرصہ میں یہ فکر کن مراحل سے گذرا، مسلمانوں کے علمی و فکری دھاروں پر یہ کس حد تک اثر انداز ہوا، اس فکر کے حاملین نے کس حد تک علمی دنیا کو اس سے روشناس کرایا اور اس کے امکانات و مضمرات کس حد تک علمی و تحقیقی سطح پر بحث و نظر کے موضوع بن سکے ہیں؟ اس کے بعد ہی مستقبل کے لیے کوئی مفید اور قابلِ عمل لائحہ عمل تیار کیا جاسکتا ہے۔ یہ سیمینار اسی احساس کا عملی مظہر ہے۔

مجلس مذاکرہ، کانفرنس اور سیمینار کا انعقاد علمی دنیا کی ایک جانی پہچانی روایت ہے اور کسی خاص موضوع پر علمی و تحقیقی کاوشوں کو متحد، موثر اور فعال بنانے اور انہیں کسی مخصوص جہت میں آگے بڑھانے کا ایک بہترین ذریعہ۔ آج کی دنیا میں جہاں گوناگوں مصروفیات، فکری و ذہنی پیچیدگیاں اور الجھاوے اور زندگی کے نہایت تیزی سے بدلتے ہوئے نوع بنوع تقاضے اس بات کی مہلت کم ہی دیتے ہیں کہ انسان اپنی بنیادی ترجیحات سے آگے نظر اٹھا کر دیکھ بھی سکے وہاں ایسی مجالس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے جہاں ارباب فکر و دانش جمع ہو سکیں اور کشاکش حیات سے کنارہ کش ہو کر چند دن کسی ایک مخصوص موضوع پر غور و فکر کرنے، مختلف جہات سے اس کا جائزہ لینے اور مختلف زاویوں سے اس کی جانچ پڑتال کرنے، اپنی سنانے اور دوسروں کی سننے کے لیے مل بیٹھیں۔ اگر یہ کاوش یکسوئی اور دل جمعی سے کی جائے تو اس کے بڑے قابلِ قدر اور مفید نتائج نکلتے ہیں۔ کم از کم اتنا تو ضرور ہوتا ہے کہ موضوع زیر بحث پر نئے نئے انداز سے روشنی ڈالی جاتی ہے جس کے نتیجہ میں بحث و نظر کی نئی نئی راہیں نکلتی ہیں۔ بہت سے مسائل کے حل دریافت ہوتے ہیں اور بہت سی گتھیوں کی عقدہ کشائی کی راہ باز ہوتی ہے فکر و نظر کو جلا اور ذہن و دماغ کو بالیدگی ملتی۔ علم و فن کے نئے نئے افق سامنے آتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں ذہنی کشادگی اور بہرہ مندی کا احساس ہوتا ہے۔

لیکن ان مجالس سے صحیح طور پر استفادہ کے لیے یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ہر آدمی کی اپنی ایک شخصیت، انفرادیت اور ذہنی ساخت ہوتی ہے اور ہر صاحب فکر انسان مختلف مسائل کے بارے میں اپنا ایک مخصوص زاویہ نگاہ اور نقطۂ نظر رکھتا ہے۔ اس مخصوص زاویہ نگاہ کے

ارتقاء میں مختلف عوامل کی کارفرمائی ہوتی ہے جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ کہنا صرف یہ ہے کہ یہ ایک فطری عمل ہے اور اس سے صرف نظر کرنا نہ تو مناسب ہے اور نہ ممکن۔ چنانچہ دانش وروں کے درمیان اختلاف رائے ایک ناگزیر امر ہے اور یہ قطعی ممکن نہیں کہ سب لوگ ایک ہی انداز میں سوچیں، ایک ہی طرح کے نتائج تک پہونچیں اور مختلف صورت احوال میں ایک ہی طرح کے ردِ عمل کا اظہار کریں۔ اس عالم رنگ و بو کی زیبائی و رعنائی کا راز یک رنگی میں نہیں بلکہ رنگوں کی کثرت اور فراوانی میں مضمر ہے۔ اس لیے فکر و نظر اور زاویہ نگاہ کے اختلاف سے گھبرانے اور ہراساں ہونے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ مناسب حدود میں رہتے ہوئے یہ بہت مفید اور قابل قدر عمل ہے اور اس سے جہان معنی کے نئے نئے افق سامنے آتے ہیں اور فکری و ذہنی توانائی کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ جو معاشرہ اختلاف رائے کو برداشت کرنے کی صلاحیت کھو دیتا ہے اس کی سوچ کے سوتے خشک اور اس کے فکری قویٰ مضمحل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ علم کے فروغ کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہر فرد کو اس بات کا موقع ہونا چاہیے کہ وہ اپنے نقطۂ نظر اور غور و فکر کے نتائج کو پوری آزادی سے دوسروں کے سامنے پیش کر سکے۔ کشادہ دلی اور کشادہ جبینی سے دوسروں کی سننا اور اپنی سنانا ہی ان مجالس کی جان ہوتی ہے اور ان کے نتیجہ میں وقوع پذیر ہونے والا مباحثہ ہی ان کی روح کا درجہ رکھتا ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ اپنا نقطۂ نظر خالص علمی انداز میں پیش کیا جائے، تنقید مثبت، صحت مندانہ، متوازن اور متین ہو، تحقیق و تفتیش کو دلائل و براہین کی پختہ اساس پر قائم کیا جائے اور اس سلسلہ میں کسی طرح کے تعصب اور تنگ نظری کو راہ نہ دی جائے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ فقہ اکیڈمی کا سیمینار ان اعلیٰ علمی اور تحقیقی اقدار کا بہترین نمونہ فراہم کرے گا اور اس کے نتیجہ میں ہمارے مختلف مکاتبِ فکر کے درمیان مفاہمت، یکجہتی اور ہم آہنگی کی ایک نئی فضا ہموار ہو گی۔ آمین

آخر میں میں ایک بار پھر تمام شرکاء کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ آپ کی تشریف آوری ہمارے لیے باعثِ سرفرازی ہے اور ہم اس کے لیے صمیم قلب سے آپ کے شکر گزار ہیں۔ ہماری یہ انتہائی خواہش اور کوشش ہو گی کہ یہاں آپ کا قیام خوش گوار اور آرام دہ رہے لیکن اپنے محدود وسائل اور دستیاب سہولیات کے پیشِ نظر ہمیں اس بات کا بڑی شدت سے احساس ہے کہ ہمارے انتظامات آپ کے شایانِ شان نہیں ہیں۔ ان کوتاہیوں اور کمیوں کے لیے ہم آپ سے

عفو و درگذر کے ملتجی ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ آپ ہماری کم مائگی کو ذوق مہمان نوازی کے فقدان پر محمول نہ فرمائیں گے۔ ہماری دعا ہے کہ آپ کا یہاں قیام اور آپ کی فکری کاوشیں ہمارے آپ سب کے لیے برکت وسعادت کی باعث ہوں۔ آمین

مولانا فراہی کی
تفسیر نظام القرآن کا ایک مطالعہ

عبیداللہ فہد فلاحی

بیسویں صدی کے آغاز میں احیائے علوم اسلامیہ اور مسلمانوں کی علمی و فکری نشاۃ ثانیہ کے لیے جن علمأ و مفکرین نے منصوبہ بندی کی اور اصلاحِ امت کا ایک لائحہ عمل تیار کر کے اپنی حیاتِ مستعار کو وقف کر دیا۔ ان میں علامہ حمیدالدین فراہیؒ (۱۸۶۳ء۔۱۹۳۰ء) کا نام میرِ کارواں کی حیثیت سے تاریخ میں لکھا جانا چاہئے۔ علامہ نے نظم قرآن کے اصول و مناہج متعین کر کے فہم قرآن کی راہ ہموار کی اور انسان کو قرآنی اسرار و رموز سے آشنا کر کے انقلاب آفریں بنایا، علوم اسلامیہ کی تجدید و احیاء اور تدوینِ نو کی بنیاد رکھی اور علوم و فنون کی اسلام کاری کی جہت میں (جس کا آج عالم اسلام میں بڑا چرچا ہے اور اسلامائزیشن آف نالج کے نام سے اس مقصد کے حصول کے لیے تحریک چل رہی ہے) ابتدائی کام کیا۔ مولانا نے کوئی باقاعدہ منظم تحریک نہ برپا کی نہ احیائے شریعت کی کوئی مہم چلائی۔ لیکن علماء کو اسلام کی تنفیذ و اقامت کے لیے تیار کرنے کا فریضہ آپ نے ضرور انجام دیا اور قرآنی تعلیمات کی اقدامی و انقلابی تشریح و تفسیر کر کے آنے والے دور کے لیے احیائے اسلام کے لیے مطلوبہ لوازمہ فراہم کر دیا۔

مولانا فراہی کی علمی تحقیقات کا اصل میدان قرآن پاک تھا۔ آپ نے بیالیس سال سے زیادہ مدت تدبر و تفکر میں گزاری نظم قرآن کے حقائق اور اصول دریافت کیے اور انہیں آیات الٰہی کی تفہیم میں منطبق کیا۔ قرآن پاک کی متعدد سورتوں (فاتحہ، ذاریات، تحریم، قیامہ، مرسلات، عبس، شمس، والتین، والعصر، فیل، کوثر، کافرون، لہب اور اخلاص) کی عربی تفسیر میں اس کا نمونہ بھی پیش کیا جس کا اردو ترجمہ تفسیر نظام القرآن کے نام سے دائرہ حمیدیہ سرائے میر اعظم گڑھ سے ۱۹۹۰ء میں پروفیسر عبیداللہ فراہی کے حسنِ اہتمام سے دوبارہ شائع ہوا۔ اس تفسیری مجموعہ میں مقدمہ نظام القرآن اور تفسیر آیۃ بسم اللہ بھی شامل ہیں۔ اس مجموعہ کا مطالعہ کرتے وقت درج ذیل باتوں کو مدنظر رکھنا چاہیے:

(۱) مولانا نے سورۂ اخلاص کے سوا بقیہ تمام سورتوں کی تفسیر عربی زبان میں لکھی تھی جس کا اردو ترجمہ ان کے شاگرد رشید مولانا امین احسن اصلاحی نے کیا اور اس پر نظر ثانی مولانا اختر احسن اصلاحیؒ نے فرمائی اور یہ ایک حقیقت ہے کہ عربی اپنے ایجاز بیان کی وجہ سے اردو سے اس قدر مختلف ہے کہ کوئی قادر الکلام اور ماہر سے ماہر مترجم بھی اصل زبان کی خصوصیات اور اس کی چاشنی کو منتقل نہیں کر سکتا۔

(۲) مولانا ایجاز و اختصار کو بہت پسند کرتے ہیں اس لیے سرسری طور سے گزرنے کے بجائے ان کی ہر تحریر کو ٹھہر کر پڑھنے اور اسے ہضم کرنے کی ضرورت ہے۔

(۳) اس تفسیر میں مولانا کی بعض نا تمام تصنیفات کے حوالے بھی ہیں۔ بعض تحریریں مسودات کی صورت میں محفوظ ہیں اور بعض کتابیں مولانا کے ذہن سے نکل کر صفحۂ قرطاس پر منتقل نہ ہو سکیں۔

اس اختصار پسندی کے باوجود مولانا کا نقطۂ نظر اس مجموعہ میں واضح طور پر ابھر کر سامنے آتا ہے اور وہ نظام القرآن کے مقرر کردہ اصول و ضوابط منطبق کرنے میں وہ پوری طرح کامیاب نظر آتے ہیں۔ مولانا کی اختصار پسندی کہیں ادائے مطلب میں خلل انداز نہیں ہو سکی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ مجموعہ قرآن کے فہم کے لیے مشعل راہ بن سکتا ہے۔

مولانا فراہی کی ان محققانہ خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اس حقیقت کا اعتراف بھی ضروری ہے کہ مولانا نے بعض آیات قرآنی کی تاویل و تفسیر میں جمہور مفسرین سے علمی اختلاف بھی کیا ہے۔ مثال کے طور پر سورہ کوثر میں کوثر سے خانۂ کعبہ کا مراد لینا، سورہ فیل کی تشریح میں عربوں کی جسارت اور ابرہہ سے رزم آرائی کی تحقیق اور معجزات کی عقلی تعبیر و تشریح وغیرہ۔ لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ ان اختلافات کے پیچھے مولانا نے جو دلائل نقل کیے ہیں اور قرآن و سنت اور تاریخ و کلام عرب اور عربی بلاغت سے جو استشہاد کیا ہے وہ بڑے معرکہ کا ہے اور انھیں آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

مولانا فراہی کے اس تفسیری مجموعہ کا مطالعہ ایک اور پہلو سے بھی دلچسپ ہے اور وہ میرے نزدیک بہت اہم ہے۔ انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں علماء و مفسرین نے جو لٹریچر تیار کیا ہے وہ زیادہ تر دفاعی، معذرت خواہانہ اور مصالحانہ ہے۔ یورپ کی فکری، علمی اور سیاسی یلغار نے مفکرین و مصلحین کو پیچھے ہٹنے، دفاع پر قناعت کرنے اور صرف تحفظ و بقا ہی کے لیے جد و جہد کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

اس دور میں بیشتر تحریکات، علمی جہتیں اور فکری رجحانات خاصا متاثر اور منفعل دکھائی دیتے ہیں لیکن ایسے داعیانِ دین، محققین اور مفکرین۔۔۔ خال خال ہی سہی۔۔۔ بھی تھے جو حالات کے آگے سپر ڈالنے یا تحفظ و دفاع کے اندر محدود رہنے کے بجائے اقدام پر کمربستہ ہوئے۔ انھوں نے قرآن و سنت کی بے آمیز تعلیمات بے کم و کاست عوام کے سامنے پیش کیں اور دین کی انقلابیت، فعالیت اور حاکیت کو کسی طرح مجروح نہ ہونے دیا۔ اِن علماء میں علامہ حمید الدین فراہی کا نام بہت نمایاں ہے۔ مولانا کی تفاسیر کا اِس پہلو سے مطالعہ موجودہ حالات میں زیادہ مطابق واقعہ اور ناگزیر لگتا ہے۔

مسئلہ جہاد کی صحیح اور جرأت مندانہ تشریح:

جہاد کے مسئلہ پر بہت سے علماء نے لکھا ہے لیکن اکثر کا انداز مصالحانہ ہے۔ سرسید مرحوم نے گو اخلاص کے ساتھ اور مسلم قوم کے مفادات کے پیش نظر، جہاد کی تعبیر ایسی کی کہ وہ دفاع میں محدود ہو کر رہ گیا اور غیر اسلامی حکومت کی مسلمان رعایا کے لیے دو ہی صورتیں رہ گئیں یا تو وہ "ظلم کو سہیں یا ہجرت کریں یعنی اس ملک کو چھوڑ کر چلے جاویں۔"[۱۲] مولانا محمد حسین بٹالوی (۱۲۵۶ھ - ۱۳۳۸ھ) نے جہاد کی منسوخی پر ایک رسالہ الاقتصاد فی مسائل الجہاد لکھا، مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے کرائے۔ انھوں نے انگریز سرکار کی اطاعت کو واجب قرار دیا اور وقت کے بعض مشہور حنفی علماء کو سرکار سے بغاوت کے طعنے دیئے۔ اس رسالہ کی ایک عبارت بطور نمونہ ملاحظہ ہو:

"نتیجہ مسئلہ اولی: ازیں مسئلہ ثابت و متحقق شد کہ کمال اسلام و ایمان و نجات اہل اسلام بر جہاد موقوف و منحصر نیست۔ اگر مسلمانان را از فرائض دینی باز دارند مجرد عبادت برائے نجات و کمال ایمان کافی است"[۱۳]

اس موضوع پر علامہ فراہی نے جو کچھ لکھا ہے اس میں شریعت کی صحیح اور سچی ترجمانی کے علاوہ جرأت رندانہ اور ہمت مردانہ کی بھرپور جھلک بھی نظر آتی ہے۔ علامہ جہاد اسلامی کے غلط تصورات پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہمارے قدیم مفسرین کا خیال تھا کہ آیت سیف[۱۴] نے موعظت و نصیحت اور کفار و مشرکین کے لیے رخصت و رعایت کی بہت سی آیتوں کو منسوخ کر دیا۔ ہمارے زمانہ کے متکلمین

کی ایک جماعت کا خیال یہ ہے کہ آیت سیف نے منسوخ تو نہیں کیا ہے لیکن اسلام میں
جہاد صرف دفاع کے لیے ہے۔ ان کے خیال میں عہد نبوت میں جو غزوات ہوئے ان سب کی
نوعیت دفاعی ہے اور بعد میں خلفاء اور صحابہ نے جو لڑائیاں لڑیں وہ تمام ملوکانہ جنگیں
تھیں۔ ان کو جہاد فی سبیل اللہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میرے نزدیک یہ خیال
صحیح نہیں ہے بلکہ اصل حقیقت اس سے بالکل مختلف ہے۔" (ص ۵۰)

اس کے بعد فاضل مفسر اس امر کی وضاحت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد حضرت ابراہیمؑ سے کئے ہوئے وعدۂ خداوندی اور ان پر ڈالی گئی ذمہ داری کی تکمیل تھا۔ قرآن (بقرہ: ۱۲۵) نے صراحت کردی ہے کہ سیدنا ابراہیمؑ کو اللہ نے حکم دیا تھا کہ خانہ کعبہ کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع وسجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھنا۔ پھر خاتم النبیینؐ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو تمام ادیان پر غالب کرنے والا تھا۔ اس مقصد کے لیے آپؐ کو حکم ہوا کہ لوگوں کو وعظ وتلقین فرمائیں تاکہ مشرکین اپنی اصلاح کرسکیں۔ جب فرض تبلیغ اچھی طرح ادا ہوچکا تو حکم ہوا کہ خانہ کعبہ کو مشرکین کے قبضہ سے آزاد کرائیں اور بوقت ضرورت قوت کو بھی استعمال کریں۔ مولانا نے پوری بحث کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے لکھا کہ:

"اس سے معلوم ہوا کہ قتال محض دفاع کے لیے نہیں واجب ہوا بلکہ کعبہ کو فتح کرنے اور
بنی اسماعیل کے اندر دین حنیفی کو از سر نو قائم کرنے کے لیے ہوا۔" (ص ۵۰)

دین اسلام کی تبلیغ واشاعت اور خانہ کعبہ کی آزادی کیلئے جہاد وقتال کے جواز کے لیے مولانا نے مندرجہ ذیل دلائل دیے:

(۱) غیر بنی اسماعیل اور اہل کتاب کے ساتھ جہاد کا حکم اس لیے دیا گیا تا کہ ان کو عدل وقسط پر قائم کیا جائے اور زمین کو فساد سے پاک کیا جائے۔

(۲) جب بنی اسماعیل نے اطاعت کرلی اور سرداران قریش سرنگوں ہوگئے تو قلب کے علاوہ بقیہ اعضاء کے لیے بھی یہی زیبا تھا کہ وہ بھی اطاعت کرلیتے اور رسالت محمدی پر ایمان لاکر اہل عرب کا ساتھ دیتے۔

(۳) آپ کی دعوت ملت ابراہیمی کی طرف پلٹنے کی دعوت تھی اس لیے آپؐ کے موقف پر اعتراض کی

گنجائش نہ تھی۔ بغاوت اور فساد کے مرتکب دراصل وہ لوگ تھے جو اس دعوت کے مخالف تھے۔
مزید برآں علامہ فراہی نے قتال وجہاد کے لیے تین شرطیں ناگزیر قرار دیں:

(الف) مجاہدین کو سب سے پہلے اپنے نفس کو شائبۂ فساد سے پاک کرنا ہوگا اور عدل و انصاف کی میزان پر انھیں خود کھرا اترنا پڑے گا۔

(ب) اپنے ملک کے اندر بغیر ہجرت کے جہاد جائز نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاد اگر صاحب جمعیت اور صاحب اقتدار امیر کی طرف سے نہ ہو تو محض شورش و بدامنی اور فتنہ و فساد ہے۔

(ج) قتال حصول قوت کے بعد ہی جائز ہے۔

ان شرائط کے ساتھ جہاد، مولانا کے نزدیک، قیامت تک کے لیے واجب۔ (ص ۵۸)

مولانا نے سورۂ تحریم آیت ۹ کی وضاحت میں یہ صراحت بھی فرمائی ہے کہ جہاد و قتال اور سختی و درشتی کے پیچھے اصلاح احوال اور توبہ و انابت کا محرک کارفرما تھا تاکہ جن کے اندر قبولیت حق کی کچھ بھی صلاحیت ہے وہ بیدار ہوجائیں اور صرف وہی لوگ باقی رہ جائیں جن کے لیے عذاب کا تازیانہ مقدر ہوچکا ہے۔ مولانا کے اس موقف میں ان دشمنان اسلام کا بھرپور جواب ہے جو غزوات و سرایا کو محض "رزایا" تصور کرتے ہیں اور عہد نبوی کی خوش حالی و معاشی آسودگی کو فتوحات کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے ان کے اصل محرکات و مقاصد پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں[۶]۔

مولانا کے نزدیک اس جانچ پرکھ اور جہاد و قتال کی سخت گیری کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تعلقات اور قرابت کی وہ تمام زنجیریں لوٹ کر گر جاتی ہیں جو آدمی کو حق کے راستہ سے روکنے والی ہوتی ہیں یہاں تک کہ آدمی اپنے ماں باپ اور اہل و عیال کے تمام ناتوں کو کاٹ کر صرف اللہ کے ایک ہی رشتہ سے جڑ جاتا ہے۔ قدرت کا یہ منشا نرمی اور سختی دونوں سے پورا ہوتا ہے (ص ۱۸۰-۱۸۱)

مولانا نے قرآنی تعلیم کے جو اصولی مسائل بیان کیے ہیں ان میں بھی مولانا کا یہ انقلابی فکر کارفرما ہے۔ جہاد کو کس طرح دین کی بنیادوں سے آپ نے جوڑ دیا ہے، لائق مطالعہ ہے۔ مولانا کے نزدیک تعلیم قرآن کے بنیادی مسائل دو ہیں: عقائد اور اعمال۔ اعمال تین قسم کے ہیں: شخصی، منزلی اور مدنی۔ عقائد کے بنیادی مسائل توحید، نبوت اور معاد ہیں۔ اعمال میں نماز ہے اور اسی کے ساتھ حج بھی شامل ہے۔ زکوٰۃ ہے اور اسی کا جزو روزہ ہے۔ مکارم اخلاق ہیں اور پھر شہادت باحق ہے۔ یہ اگرچہ شخصی اعمال ہیں لیکن ان کا

تعلق جماعت سے بھی ہے۔ اس کے بعد عدل و قسط اور اس کے بعد تعاون کا درجہ ہے۔ توحید کے ساتھ جبر و قدر اور وحدت الوجود کا تعلق ہے۔ پھر توحید اور نبوت کے ساتھ شفاعت کا تعلق ہے۔ معاد کے ساتھ جنت و دوزخ کی حقیقت کے مسائل ہیں۔ قسط میں نکاح، میراث اور معاملات داخل ہیں۔ تعاون میں خلافت، سیاست اور جہاد شامل ہیں۔ پھر اعمال کے سرچشمے اخلاق میں بھی ہیں مثلاً محبت، صبر، عزم، تقویٰ اور عدل ہیں۔ (ص ۵۶)

سورۂ الکوثر کی تفسیر میں علامہ فراہی نے کوثر سے خانہ کعبہ اور اس کے ماحول کو مراد لیا ہے اور اس کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ پیغمبر عالم کے لیے برکت اور کثرتِ امت کی جو گرانمایہ دولت مقدر تھی اسی کی بشارت سنائی گئی کہ ہم نے تم کو نماز پڑھنے والی اور راہِ خدا میں خرچ کرنے والی ایک عظیم الشان امت دی ہے جو بیت اللہ الحرام کا حج کرے گی گویا یہ خوش خبری سنائی گئی کہ مکہ عنقریب فتح ہوگا، لوگوں کی کثیر تعداد آپ کی امت میں داخل ہوگی۔ ان لوگوں کے گمان کے خلاف جو کہتے ہیں کہ اس امت کا بڑا حصہ مرتد ہو جائے گا، اس کا ایک بڑا طبقہ دینِ حق پر قائم رہے گا (ص ۴۲۴۔ ۴۲۵) اس تفسیر پر علمائے تفسیر نے متعدد اشکالات قائم کیے ہیں جو اپنی جگہ درست بھی ہو سکتے ہیں لیکن مفسر کا انقلابی رویہ اور اس کی اقدامی فکر صاف محسوس کی جا سکتی ہے۔ وہ پژمردہ، ژولیدہ، مبہم اور محض تحقیقی فکر دینے کے بجائے متحرک، توانا، حیات بخش اور انقلاب آفریں سوچ قارئین تک منتقل کرنے میں پوری طرح کامیاب ہیں۔

مولانا کے نزدیک نہی عن المنکر اور امر بالمعروف سے اجتماعی اعراض و بے نیازی پوری قوم کو عذابِ الٰہی کی زد میں لے آتی ہے۔ اللہ کا قانون ہے کہ چند افراد و اشخاص کے کسی جرم کی پاداش میں اللہ تعالیٰ پوری قوم پر اپنا غضب نازل نہیں کرتا مگر جب ان کے ہاتھوں سے عدل و قسط کا کوئی قانون منہدم ہو رہا ہو اور دوسرے خاموشی سے ان کے مجرمانہ اعمال کا تماشا دیکھتے رہیں اور مجرموں کے ہاتھ نہ پکڑیں تو اس وقت پوری قوم خدا کے غضب میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ اس کی عقلی توجیہہ مولانا نے یہ پیش کی ہے کہ گناہ درحقیقت قلب کی ایک صفت ہے۔ ظاہری اعمال و افعال تو محض اس کے آثار ہیں۔ اگر کوئی شخص گناہ پر خوش ہے اور اس کو اچھا سمجھ رہا ہے تو یقیناً وہ اس شخص کے برابر ہے جس نے اس گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ مولانا نے اپنے موقف کی تائید میں مندرجہ ذیل قرآنی آیت نقل کی ہے:

وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ

شدید العقاب (الانفال: ۲۵)

(اور اس فتنہ سے بچو جو خاص کر انہیں لوگوں کو نہیں پہونچے گا جنھوں نے تم میں سے ظلم کیا ہے اور یاد رکھو کہ اللہ سخت پاداش والا ہے)۔

مولانا کا استدلال یہ ہے کہ عدل وقسط کا قیام پورے نظام کائنات کے قیام وبقا کے لیے ناگزیر ہے اس وجہ سے ضروری ہے کہ جب اس پورے نظام کو کوئی صدمہ پہونچے تو سب اس کے لیے مضطرب اور دردمند ہوں اور قانونِ الٰہی کی حفاظت کے لیے ان کے اندر غیرت وحمیت پیدا ہو۔ جو ایسا نہ کریں وہ درحقیقت مجرموں کے شریک حال اور معاون ہیں۔ (ص ۲۹۷-۲۹۸)۔

خلافت وملوکیت کی نادر تعبیر:

خلافت راشدہ ملوکیت میں کیسے تبدیل ہوگئی، اس کے اسباب وعوامل کیا تھے اور اس کے پس پشت کون سا فلسفہ کارفرما تھا، ان موضوعات پر علمائے اسلام نے بہت کچھ لکھا ہے لیکن مولانا فراہی کی تحقیق بڑی دلچسپ اور اُن کا طرز تعبیر کافی ندرت اور تخلیقی عنصر کا حامل ہے۔

مولانا کے نزدیک قوم ثمود نے اونٹنی کو قتل کر کے سرکشی کی جو منحوس مثال قائم کی تھی یہود نے حضرت عیسیٰؑ کے قتل کا ارادہ کر کے بعینہٖ اسی مثال کی تقلید کی۔ گویا یہود کے اندر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا وجود ناقۃ اللہ کی مثال تھا۔ اسی کے مشابہ واقعہ امت مرحومہ میں پیش آیا۔ بقول مولانا فراہی "اس امت کے اندر ناقہ کی مثال حضرت علیؓ تھے۔ چنانچہ ان کے قتل کے بعد اس امت سے خلافت چھین لی گئی اور خلفاء کا سلسلہ منقطع ہو گیا ان کے بعد جو لوگ مسند خلافت پر قابض ہوئے وہ خلفاء نہ تھے بلکہ ملوک وسلاطین تھے (اِلّا ماشاء اللہ) جو مال وجائیداد کی طرح بادشاہت کو وراثت میں پاتے تھے اور بادشاہوں ہی کی طرح فرمانروائی کرتے تھے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انقلاب کی پیشین گوئی پہلے سے فرما دی تھی اور اس دَور کو "ملک عضوض" سے تعبیر فرمایا تھا"۔ (ص ۲۹۸)

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ حضرت علیؓ سے پہلے حضرت عثمان غنیؓ نہایت مظلومیت کی حالت میں شہید ہوئے جن کے بعد فتنوں کا دروازہ کھل گیا۔ حضرت فاروق اعظمؓ شہید ہوئے جن کی شہادت تاریخ اسلام کا سب سے بڑا حادثہ ہے۔ سب سے آخر میں امام حسینؓ قتل ہوئے جن کی سبے کسی تاریخ میں یادگار

رہے گی پھر مولانا نے ان میں سے کسی کے قتل کو حضرت عیسیٰ کے واقعہ سے کیوں نہیں تشبیہ دی ؛ تو مولانا نے اس اشکال کا جواب دے دیا ہے ۔

مولانا کے نزدیک حضرت عمرؓ کی شہادت کا واقعہ ایک مخصوص نوعیت کا حامل ہے۔ آپ کے قتل کی ذمہ داری اس امت پر نہیں ہے ۔ آپ کو ایک عیسائی نے شہید کیا ۔ پھر چونکہ یہ پہلا خون تھا اس وجہ سے پوری امت قانون الٰہی کی زد میں آنے سے بچ گئی ۔ حضرت عثمانؓ کی حالت حضرت یحییٰؑ سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے ۔ جس طرح یحییٰؑ قید کی حالت میں قتل کیے گئے ، اسی طرح حضرت عثمانؓ مکان کے اندر محبوس کر کے شہید کیے گئے ۔

مولانا کے نزدیک واقعہ کی نوعیت کے علاوہ نتائج کے اعتبار سے بھی حضرت عیسیٰؑ اور حضرت علیؓ کے واقعات بالکل یکساں درجہ کی اہمیت رکھتے ہیں ۔ یہود عیسیٰؑ کے قتل کا ارادہ کر کے خدا کی امانت سے محروم ہو گئے ، اور مسلمان حضرت علیؓ کے قتل کی ذمہ داری لے کر خلافت مقدسہ سے محروم ہو گئے ۔ باقی رہا شہادت حسینؓ کا معاملہ تو یہ درحقیقت اسی بدبختی کا ایک مظہر ہے جو حضرت علیؓ کے قتل کی صورت میں نمودار ہوئی اور پھر اسی واقعہ کی جڑ سے ہزارہا فتنوں کی شاخیں پھوٹیں اور پھیلیں اور ان کے مسموم اور مہلک اثرات نہ جانے کن کن صورتوں میں نمودار ہوئے ۔ امت مختلف گروہوں میں بٹ گئی اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی جماعتوں میں ایسی خونریز جنگیں ہوئیں کہ مسلمان بالکل بے دم ہو کر رہ گئے ۔ (ص ۲۹۸ ۔ ۳۰۰)

خلافت کی ملوکیت میں منتقلی کا یہ تجزیہ تاریخ اسلام پر مولانا کی گرفت بھی ظاہر کرتا ہے اور تعبیر اسلام میں مولانا کی جرأت مندی اور غیرت ملی کا آئینہ دار بھی ہے ۔ بعد میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے انہی خطوط کی بنیاد پر خلافت و ملوکیت جیسی عالمی شہرت کی مالک کتاب تصنیف فرمائی اور بہت سے شکوک و شبہات اور الجھنوں کے کانٹے نکال کر حدیث رسول (ملک عضوض) کی فاضلانہ تشریح کی ۔ علماء و مفکرین کی ایک جماعت اسی نقطۂ نظر سے اختلاف کرتے ہوئے خلافت کو حضرت علیؓ کے دور تک محدود نہیں مانتی اور اپنا یہ اشکال بھی سامنے رکھتی ہے کہ اگر خلافت کو خلفاء اربعہ کے ادوار مبارکہ تک محدود کر دیا گیا تو تاریخ اسلامی کا تسلسل ، تعلیمات اسلامی کی دائمی عالمگیریت اور عقائد اسلامی کی ابدی تنفیذیت کا تصور دھندلا ہو جائے گا تاہم مولانا فراہی ان تمام اعتراضات

کے باوصف خلافت راشدہ کو حضرت علیؓ کے دور تک محدود مانتے ہیں اور بعد کی حکومتوں کو ملوکیت (الا ماشاء اللہ) سے تعبیر کرتے ہیں۔

مولانا نے خلافت کا تاریخی مطالعہ کرنے کے ساتھ اس کا فلسفیانہ تجزیہ بھی کیا ہے۔ اس موضوع پر مفصل تحریریں آپ کی دوسری کتاب فی ملکوت اللہ میں ملتی ہیں۔ لیکن اپنی تفاسیر میں بھی جہاں ضرورت محسوس ہوئی ہے، اس موضوع پر اجمالی گفتگو فرمائی ہے۔ سورہ والعصر میں کامیاب انسانوں کی تین بنیادی خصوصیات بیان فرمائی گئی ہیں ایمان، عمل صالح اور تواصی بالحق۔ مولانا کے نزدیک نیکی اور بھلائی کی قسم کی کوئی بات ان کے دائرہ سے باہر نہیں رہ گئی ہے۔ ایمان تمام عقائد کا شیرازہ، عمل صالح تمام شریعت کا مجموعہ اور تواصی ایک رتبۂ کمال و فضیلت ہے جو اللہ نے اس امت کے لیے مخصوص فرمادی اور اس امت میں سے بھی خاص طور پر ان لوگوں کے لیے جو اس کے رہنما ہیں کیونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اصل ذمہ داری انہی پر ہے۔ اس تواصی کے ذریعہ اللہ نے اس امت کی شیرازہ بندی فرمائی اور ان کو اختلاف و نزاع کے تمام خطروں سے محفوظ کرکے بھائی بھائی بنادیا ہے۔ مولانا کے نزدیک امت کے اندر جب تک یہ نظام باقی رہا، اس کے قدم برابر ترقی کی راہوں پر بڑھتے رہے جیسا کہ اوائل خلافت میں ہوا لیکن جب یہ نظام درہم برہم ہوگیا تو دفعۃً بڑھتے ہوئے قدم رک گئے (ص ۳۴۳)۔

مولانا نے اس سیاق میں آل عمران ۱۰۲۔۱۱۰ کی آیات کا حوالہ بھی دیا ہے اور اس سے خلافت کا وجوب ثابت کرتے ہوئے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر امت کے اہم فرائض میں سے ہے لیکن اس کی اصل ذمہ داری امت کے لیڈروں پر ہے۔ البتہ تواصی ایک فرض عام ہے جس میں تمام مسلمان برابر کے شریک ہیں۔

تواصی کی بحثوں کو سمیٹتے ہوئے مولانا نے آخر میں وجوب خلافت کی توجیہ یہ بیان فرمائی ہے:

> "مسلمانوں کو اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ عمل صالح کریں، پھر ادائے حقوق کے معاملہ میں ایک دوسرے کی مدد کریں اور چونکہ ادائے حقوق بغیر خلافت و ریاست کے ناممکن ہے اس لیے ضروری ہے کہ خلافت قائم کریں اور خلافت کا قیام چونکہ اطاعتِ امیر پر منحصر ہے اس لیے ضروری ہے کہ اس کے

اندر اطاعتِ امیر بھی موجود ہو"۔ (ص ۳۴۴)

گویا مولانا فراہی کے نزدیک خلافت کی ناگزیریت محض سیاسی وحکومتی اغراض کے لیے ہی نہیں بلکہ دین کے اہم ترین حقوں پر عمل درآمد کے لیے بھی ہے کیونکہ حقوق العباد پورے دین کا نصف ہے اور یہ نصف حصہ روبہ عمل نہیں آسکتا اگر خلافت کا نظام موجود نہ ہو۔

اگر تفسیر نظام القرآن کا مطالعہ اس نقطہ نظر سے کیا جائے تو دورِ جدید میں ان تحریروں کی معنویت وافادیت مزید بڑھ سکتی ہے۔ آج جبکہ پورا عالمِ اسلام اسلامی احیاء اور رجوعِ ماضی سے ہمکنار ہونے کے لیے بے تاب ہے اسے قرآن کی طرف پلٹنا ہوگا اور نظام القرآن کی روشنی میں اسی اقدامی، انقلابی اور حرکی سوچ کی روشنی میں اپنا لائحہ عمل مرتب کرنا ہوگا۔ اس پس منظر میں علامہ فراہی محض ایک محققِ قرآن نہیں رہ جاتے بلکہ تحریکِ اسلام کاری کے سرخیل بھی نظر آتے ہیں۔

حواشی وحوالہ جات

۱ فراہی، حمید الدین، تفسیر نظام القرآن، دائرہ حمیدیہ، اعظم گڑھ، ۱۹۹۰ء ص ۱۹

۲ احمد، سرسید، تفسیر القرآن، رفاہ عام پریس، لاہور، ۱/ص ۲۵۳، ۲۵۴

۳ مولانا مسعود عالم ندویؒ نے معتبر اور ثقہ راویوں کا یہ بیان بھی نقل کیا ہے کہ اس رسالہ کی تالیف کے معاوضہ میں سرکار انگریزی سے مولانا بٹالوی کو جاگیر بھی ملی تھی۔ دیکھئے، ندوی، مسعود عالم، ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، ۱۹۸۱ء، ص ۲۰-۲۱

۴ یہاں آیت سیف سے مراد سورہ توبہ کی آیت فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ الآية (جب احترام کے مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو قتل کرو جہاں کہیں تم ان کو پاؤ اور ان کو پکڑو اور ان کو گھیرو اور ان کے لیے ہر گھات میں بیٹھو الخ) ہے۔

۵ واٹ، منٹگمری، محمد ایٹ مدینہ، لندن ۱۹۶۸ء، ص ۸-۹، فلپ کے ہٹی، اسلام۔ اے وے آف لائف، لندن، ۱۹۷۰ء ص ۱۵، ہسٹری آف دی عربس، لندن، ۱۹۴۹ء ص ۱۱۶-۱۱۷، ڈبلیو سی ٹیلر، دی ہسٹری آف محمڈنزم لندن، ۱۸۳۴ء ص ۱۰۸-۱۰۹

ث عہد نبوی کی ابتدائی مہموں کے محرکات، مسائل اور مقاصد پر مستشرقین کے اعتراضات کے تجزیہ اور صحیح نقطۂ نظر سے واقفیت کے لیے ملاحظہ ہو، ڈاکٹر محمد یسین مظہر صدیقی، عہد نبوی کی ابتدائی مہمیں: محرکات، مسائل اور مقاصد، نقوش رسول نمبر، لاہور ۱۹۸۵ء، جلد ۱۲، ص ۲۸۰-۳۵۴

ے اسلام کا نظریۂ خلافت وحاکمیت اور مولانا فراہی کے موضوع پر راقم نے "مولانا فراہی سیمنار۔ حیات وخدمات" منعقدہ ۱۹۹۱ء میں ایک مقالہ پڑھا تھا۔ تفصیل کے شائقین سیمنار کی زیر طبع روداد میں اسے ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

آئندہ شمارہ

سے

زرِ تعاون میں اضافہ

کاغذ، طباعت اور ڈاک کی شرح میں غیر معمولی اضافہ کے باوجود گزشتہ پانچ سال سے علوم القرآن کے زرِ تعاون میں کوئی اضافہ نہیں کیا گیا۔ لیکن اب موجودہ قیمت پر اس کی اشاعت ناممکن ہو گئی ہے۔ اس لیے بدرجہ مجبوری اگلے شمارے (جنوری-جون ۱۹۹۶ء) سے اس کی قیمت میں درج ذیل شرح کے مطابق اضافہ کیا جا رہا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ حسب سابق ادارہ کو آپ کا تعاون حاصل رہے گا۔

ممالک	ایک سال	دو سال	تین سال
ہندوستان	۴۰ روپے	۷۵ روپے	۱۱۰ روپے
پاکستان وبنگلادیش	۶۵ روپے	۱۲۵ روپے	۱۸۰ روپے
دیگر ممالک	۱۵ امریکی ڈالر	۲۸ امریکی ڈالر	۴۰ امریکی ڈالر

ششماہی علوم القرآن علی گڑھ ۱/ اور ۲ جنوری - دسمبر ۱۹۹۱ء

قرآنی معیشت کے بعض بنیادی مسائل

مولانا فراہیؒ کی نظر میں

عبدالعظیم اصلاحی

دنیائے مغرب میں آج سے ایک صدی قبل کے اقتصادی افکار و نظریات کا جائزہ لیا جائے تو صاف طور پر نظر آئے گا کہ عمل اور ردعمل کے نتیجہ میں دو متوازی معاشی نظام یا مسلک ایک دوسرے پر غالب ہونے کے لیے دست بگریباں ہیں۔ یہ دو نظام سرمایہ داری اور اشتراکیت ہیں۔ بیسویں صدی کے آغاز میں جب مشرق میں مغربی علوم و افکار کا آوازہ بلند ہوا تو سماجی و معاشی علوم و مسائل پر سوچنے والے علماء میں بہت کم ایسے ملیں گے جنھوں نے خود ان نظریات سے متاثر ہونے کے بجائے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ان پر تنقید کی ہو اور کسی مسلک وسط کی طرف رہنمائی کی ہو۔ مولانا فراہی کے یہاں تفصیلی معاشی بحثیں تو نہیں ملتیں مگر اپنی تصنیفات میں مختلف مواقع پر انھوں نے اس موضوع پر جو مختصر رائیں ظاہر کی ہیں ان سے بڑی حد تک ان کے معاشی مسلک کے بنیادی خد و خال کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ پیش نظر مضمون میں سرمایہ داری و اشتراکیت کے منظر و پس منظر کا مختصر تذکرہ کرنے کے بعد مولانا فراہی کی تفسیری توضیحات کی روشنی میں ان کے اقتصادی مسلک کا جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس جائزہ کی اصل اہمیت یہ ہے کہ مولانا کے سیرت نگاروں سے ان کے فکر کا یہ پہلو یکسر اوجھل رہا۔ اس سے کچھ اس کابھی اندازہ ہوگا کہ اس دور میں جب ایک عالم مغربی علوم و فنون کے سحر میں گرفتار تھا مغرب سے درآمدہ افکار سے متعلق امام فراہیؒ کا طرز عمل اور موقف کیا تھا۔

سرمایہ دارانہ نظام اور سود :

بے قید ملکیت، اخلاقی اقدار سے لاتعلقی، بے جا استحصال اور اغنیاء و فقراء میں روز افزوں تفاوت

سرمایہ دارانہ نظام کے چند اہم مظاہر ہیں۔ اس نظام کی بار آوری میں سود کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ پیداوری کا عمل انجام دینے والا شخص اسی کی اساس پر سرمایہ حاصل کرتا ہے اور اس کو پیداوار کی لاگت میں شامل کرکے عام صارفین سے وصول کرتا ہے۔ اس نظام میں سود کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ کلاسیکی ماہرین معاشیات نے سود کو ایسا خود کار آلہ قرار دیا ہے جو معیشت میں مکمل روزگار کی ضمانت دیتا ہے۔[۱] یہاں اس اجمال کی تفصیل میں جانے کا موقع نہیں لیکن یہ بتانا دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ معیشت میں سود کو یہ اثر و رسوخ کس طرح حاصل ہوا۔

قرآن کے علاوہ دوسری الہامی کتابوں میں بھی سود کی مخالفت وارد ہے، یہاں تک کہ یونان کے فلسفیوں نے بھی سود کی مخالفت کی ہے۔ عہد وسطیٰ کے وسط تک مسیحی علماء بھی ہر طرح کے سود کے مخالف رہے۔ صلیبی جنگوں کے بعد جب چرچ کے پاس بے شمار دولت اور جاگیریں آگئیں اور تجارت وصنعت میں ترقی شروع ہوئی تو اس وقت یہ بحث چھڑی کہ کیا سود کی ہر شرح اور ہر مقصد کے لیے لیے گئے سرمایہ پر سود ممنوع ہے یا اس میں کچھ تخصیص ہے؟ عہد وسطیٰ کے معاشی افکار کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیحی علماء میں اس مسئلہ پر بڑی بحثیں رہیں۔ شروع میں ان کا موقف سخت رہا، لیکن تجارت وصنعت کے ساتھ مادیت کے فروغ اور خود چرچ کے ساہوکاری میں مبتلا ہونے کی وجہ سے مسیحی علماء نے یہ کہہ کر سپر ڈال دی کہ ممنوع سود وہ ہے جو صرفی قرضوں پر لیا جائے۔ رہا وہ سود جو پیداوری قرضوں پر وصول کیا جائے، وہ ممنوع نہیں ہے اسی طرح شرح سود میں بھی فرق کیا گیا۔ کہ سود وہ غلط ہے جس کی شرح بہت بھاری ہو آسان اور معمولی شرح ممنوع نہیں ہے۔ اول الذکر کو ربا یا یوژری (USURY) اور ثانی الذکر کو فائدہ یا انٹرسٹ کہا گیا۔ اس فرق نے سودی کاروبار اور بینکنگ کے نظام کو جو تمام تر سود پر مبنی تھا، کافی فروغ دیا اور ربع مسکوں کو تقریباً پورے طور پر اپنے تسلط میں لے لیا۔[۲]

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ یورپ میں اس بحث کے چھڑنے سے کچھ صدیوں قبل مسلمانوں میں بھی اس طرح کی سوچ پروان چڑھنے لگی تھی چنانچہ امام فخرالدین رازیؒ (متوفی ۶۰۶ھ/۱۲۱۰ء) نے اپنی تفسیر کبیر میں پیداوری وتجارتی قرضوں پر بھی سود کے ممنوع ہونے کے حق میں کئی دلائل دیئے ہیں اور غالباً پہلے مصنف ہیں جنھوں نے اس کا معاشی تجزیہ پیش کیا ہے۔[۳]

اس صدی کے آغاز میں مسلم علماء کا عام رویہ :

انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں کے شروع میں تمام مسلم ممالک براہ راست یا بالواسطہ مغرب کے سیاسی، فکری اور معاشی تسلط کے بے رحم پنجوں میں جکڑے ہوئے نظر آتے ہیں مغرب کا سرمایہ دارانہ نظام ان پر اس طرح مسلط ہو گیا کہ اس سے ہٹ کر سوچنے کی بات تو دور رہی اس نظام کے فاسد ترین جزو سود کو جائز قرار دینے کی کوششیں ہونے لگیں۔ اس صورت حال کا نقشہ کھینچتے ہوئے اس موضوع پر مشہور کتاب "تجارتی سود تاریخی اور فقہی نقطۂ نظر سے" کے فاضل مصنف پروفیسر فضل الرحمٰن گنوری یوں رقم طراز ہیں:

"سیاسی و معاشی تسلط اور تہذیبی و ذہنی مرعوبیت نے خود مسلمانوں کے درمیان ایسا طبقہ پیدا کر دیا جو اپنے فروتر علمی معیار، غیر تخلیقی ذہانت، کم سوادی اور پست ہمتی کی بنا پر اپنے نظریۂ زندگی، قدروں اور علمی و تہذیبی ورثے کے بارے میں احساس کمتری کا شکار رہے۔ اور ہر مسئلہ کو مغربی افکار و تہذیب کے معیار پر تولتا ہے، اور جس کے علم و تحقیق اور جدت پسندی کا منتہائے کمال یہ ہوتا ہے کہ مغرب کے رائج الوقت نظریات اور سکہ بند خیالات کی تائید اسلام کی زبان سے کرا دی جائے۔ سود کے بارے میں بھی یہی رویہ اس طرح کے لوگوں کا رہا۔ غیر سودی نظام معیشت کے خاکے کی تشکیل اور اس کا برپا کرنا تو بس کا روگ نہ تھا کم ہمتی نے یہ راہ البتہ سجھائی کہ ایک ایسی چیز کو جو بدترین محرمات میں سے ہے تاویل و تعبیر کے ذریعہ جائز قرار دے لیا ہے۔"[1]

قرون وسطیٰ کے دلائل کو یہاں بھی دہرایا گیا اور یہ دعویٰ کیا گیا کہ تجارتی اور پیداواری قرضوں اور ان پر سود کا طریقہ عرب میں رائج نہیں تھا یہ ایک نو پیدا صورت حال ہے۔ اس وقت جو قرضے دیئے جاتے تھے وہ ذاتی حوائج اور صرفی مقاصد کے لیے ہوتے تھے ان پر زائد رقم بے شک ربا یا (یوژری) ہے۔ باقی خوش حال افراد یا تجار سے جو زائد رقم وصول کی جائے وہ ربا نہیں انٹرسٹ ہے۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن گنوری نے اپنی مذکورہ کتاب میں ان دلائل کا بڑی باریکی سے جائزہ لیا ہے اور ان کا

کافی وشافی بلکہ کہنا چاہیے دندان شکن جواب دیا ہے۔[۵] موضوع سے دلچسپی رکھنے والے اس کا مطالعہ کرسکتے ہیں۔

امام فراہیؒ کا موقف :

اس زمانہ میں جبکہ اہل فہم وقلم ان دلائل کی رو میں بہے جا رہے تھے امام حمید الدین فراہیؒ نے ہر طرح کے سود کی حرمت کو یکساں قرار دیا ہے اور خود قرآن مجید سے اس بات کا ثبوت فراہم کیا کہ اہل عرب میں زیادہ تر سودی کاروبار خوش حال وتجارت پیشہ لوگوں کے ساتھ تھا۔

آیت ربا کی تشریح میں آپ نے تحریر کیا ہے:

" وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ" يلوح من هذه الكلمات انهم كانوا ياخذون الربا من ذي ميسرة والقريش كانت تجارا واصحاب الربا فلا ادري فرقا بين حالهم وحال ابناء زماننا في الربا والله اعلم"[۶]

'وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ' سے یہ بات صاف نکلتی ہے کہ اہل عرب خوش حالوں سے سود لیتے تھے۔ پھر قریش تاجر لوگ تھے اور سودی کاروبار ان میں رائج تھا۔ اس وجہ سے اسی معاملہ میں ان کے اور ہمارے حالات کے درمیان کوئی خاص فرق مجھے سود کے بارے میں نظر نہیں آتا، واللہ اعلم۔

خوش حال لوگوں کو قرضہ دیئے جانے اور اس پر سود کمانے کا قرآن سے ثبوت ایک ایسا نکتہ ہے جو مجھے اپنے علم کی حد تک کسی اور کے یہاں نظر نہیں آیا۔ یہ چیز مولانا فراہیؒ کی قرآن فہمی کی خداداد صلاحیت کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے۔ اس نکتہ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے آپ کے شاگرد رشید مولانا امین احسن اصلاحی اپنی تفسیر "تدبر قرآن" میں رقم طراز ہیں:

"اس زمانہ میں بعض کم سواد یہ دعوی کرتے ہیں کہ عرب میں زمانہ نزول سے پہلے جو سود رائج تھا یہ صرف مہاجنی تھا، غریب ونادار لوگ اپنی ناگزیر ضروریات زندگی حاصل کرنے کے لیے مہاجنوں سے قرض لینے پر مجبور ہوتے تھے اور یہ مہاجن ان مظلوموں سے بھاری بھاری سود وصول کرتے تھے اسی سود کو قرآن نے

ربا قرار دیا ہے اور اسی کو یہاں حرام ٹھہرایا ہے، رہے یہ تجارتی کاروباری قرضے جن کا اس زمانہ میں رواج ہے تو ان کا اس زمانہ میں نہ دستور تھا نہ ان کی حرمت و کراہت سے قرآن نے کوئی بحث کی ہے۔ ان لوگوں کا نہایت واضح جواب خود اس آیت کے اندر ہی موجود ہے۔ جب قرآن یہ حکم دیتا ہے کہ اگر قرض دار تنگ دست (ذو عسرۃ) ہو تو اس کو کشادگی (میسرہ) حاصل ہونے تک مہلت دو تو اس آیت نے گویا پکار کر یہ خبر دے دی کہ اس زمانہ میں قرض لینے والے امیر اور مالدار لوگ بھی ہوتے تھے بلکہ یہاں اگر اسلوب بیان کا صحیح صحیح حق ادا کیجئے تو یہ بات نکلتی ہے کہ قرض لین دین کی معاملت زیادہ تر مالداروں ہی میں ہوتی تھی البتہ امکان اس کا بھی تھا کہ کوئی قرض دار تنگ حالی میں مبتلا ہو کر اس کے لیے مہاجن کی اصل رقم کی واپسی بھی ناممکن ہو رہی ہو تو اس کے متعلق یہ ہدایت ہوئی کہ مہاجن اس کو اس کی مالی حالت سنبھلنے تک مہلت دے اور اگر اصل بھی معاف کر دے تو یہ بہتر ہے۔ اس معنی کا اشارہ آیت کے الفاظ سے نکلتا ہے اس لیے کہ فرمایا ہے کہ "ان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ" (اگر قرضدار تنگ حال ہے تو اس کو کشادگی حاصل ہونے تک مہلت دی جائے)۔ عربی زبان میں 'ان' کا استعمال عام اور عادی حالات کے لیے نہیں ہوتا بلکہ عموماً نادر اور شاذ حالات کے بیان کے لیے ہوتا ہے۔ عام حالات کے بیان کے لیے عربی میں 'اذا' ہے۔ اس روشنی میں غور کیجئے تو آیت کے الفاظ سے یہ بات صاف نکلتی ہے اس زمانہ میں عام طور پر قرض دار ذو میسرۃ (خوش حال) ہوتے تھے لیکن گاہ گاہ ایسی صورت بھی پیدا ہو جاتی تھی کہ قرضدار غریب ہو یا قرض لینے کے بعد غریب ہو گیا ہو تو اس کے ساتھ اس رعایت کی ہدایت فرمائی ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کے رکن رکین سود سے متعلق امام فراہی کے مسلک کی وضاحت کے بعد آئیے اب ہم اس دور کے دوسرے اہم معاشی نظام سے متعلق آپ کی رائے کا مطالعہ کرتے ہیں۔

تاریخ کی مادی یا اقتصادی تفسیر پر مولانا فراہی کی تنقید:

بہت سے اشتراکی مصنفین نے جن میں مارکس (متوفی ۱۸۸۳ء) کا نام سب سے نمایاں ہے معاشرہ کے مختلف مراحل کے ارتقاء سے بحث کی ہے۔ ان کے خیال میں انسانی تاریخ کے مختلف ادوار میں جو معاشرتی عروج و زوال پایا گیا ہے اس کے پیچھے ہمیشہ معاشی عوامل کار فرما رہے ہیں۔ پیداوار اور مبادلہ کے ذرائع و مناہج اور معاشی مفادات کی کشمکش ہی تاریخ میں اہم کردار ادا کرتے رہے ہیں اور سماجی ڈھانچہ اور طبقاتی مفادات کو تشکیل دیتے رہے ہیں[۴]

مارکس اور اشتراکی مصنفین کے متذکرہ صدر نظریہ کو تاریخ کی مادی یا معاشی تفسیر کا نام دیا جاتا ہے مولانا فراہی اس مارکسی نظریہ کی قرآن کی روشنی میں پرزور تردید کرتے ہوئے اپنی کتاب "فی ملکوت اللہ" میں تحریر فرماتے ہیں:

"تاریخ میں واقعات دراصل اخلاقی عوامل کے مطابق مرتب ہوتے ہیں۔ یہ عالم اللہ تعالیٰ کے قبضہ و تصرف میں ہے۔ آسمانی کتابیں (جن میں اس حقیقت کو واشگاف کیا گیا ہے) تاریخ کی ساری کتابوں سے مختلف ہوتی ہیں۔ کسی قوم کی تعمیر و ترقی یا شکست و ریخت اس کے اخلاق کے مطابق ہوتی ہے ...... سورہ اعراف میں عذاب کے اسباب میں شرک، فساد فی الارض، فواحش اور حرص و طمع کا تذکرہ ہے۔ کسی قوم پر عذاب اتمام حجت اور کافی مہلت کے بعد آتا ہے۔ پھر ایسے لوگ اچانک پکڑ میں آجاتے ہیں.... جبکہ ایمان و تقویٰ کے نتیجہ میں برکات کا ظہور ہوتا ہے"[۵]

مولانا فراہی کے ان مختصر ملاحظات پر قرآن کے نظریہ تاریخ کو بخوبی مرتب کیا جاسکتا ہے۔

اشتراکیت کے پرفریب نظریات:

صنعتی انقلاب اور سرمایہ داری کے ارتقاء کے نتیجہ میں دولت و ثروت کے تفاوت میں اضافہ ہوا، بے کاری بڑھی، محنت پیشہ لوگوں کا استحصال شروع ہوا، گندی بستیاں، گنجان آبادیاں اور

طرح طرح کی بیماریاں نمودار ہوئیں۔ ان سب کے ردِّ عمل کے طور پر سماجی علوم کے مختلف مفکرین نے اشتراکیت کے نظریہ کو فروغ دیا کہ نجی ملکیت کا خاتمہ ہو، ذرائعِ پیداوار حکومت کے قبضہ میں ہوں اور حکومت کی معرفت معاشی ثمرات سے تمام لوگ برابر متمتع و مستفید ہوں۔ اس نظریہ کو مارکس نے منطقی دلائل سے نقطۂ عروج کو پہنچایا۔ اس کے خیالات سے متاثر جماعت ۱۹۱۷ء میں بڑی عیاری سے اس نظریہ پر مبنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ اس نظریہ کی حقیقت کیا تھی اور معاشی مسئلہ کو حل کرنے میں یہ کس قدر ناکام رہا اس کا اندازہ آج کرنا کچھ مشکل نہیں جبکہ روسی حکومت کا شیرازہ ایک ایک کرکے بکھر رہا ہے۔ غیر فطری مساوات اور ظالمانہ اشتراکیت نے معاشی سرگرمیوں کو ایسا کند کیا کہ یہ نظام اپنی پوری تاریخ میں مغرب کے سرمایہ دار ممالک کا بھکاری بن کر رہا اور اب جس کی تلافی کے لیے اس نے نجی ملکیت کی قیود میں ڈھیل دینی شروع کردی ہے اور بازار پر مبنی معاشی نظام (MARKET SYSTEM) کو اپنانے جا رہا ہے*۔ لیکن آج سے ستر سال قبل جب یہ نظام قائم ہوا تو اس کے دلفریب نعروں اور پُرفریب دعووں نے بہتوں کو مسحور کرلیا، اور انھوں نے یہ نہیں محسوس کیا کہ جبر و استبداد کے آہنی پردوں کے پیچھے کیا ہو رہا ہے۔

اشتراکیت سے متعلق علامہ فراہی کی رائے :

اس نظام سے متعلق بھی ہدایت و بصیرت امام فراہی نے قرآن مجید سے حاصل کی ہے۔ آپ کی کتاب 'فی ملکوت اللہ' میں ہمیں درج ذیل رائے ملتی ہے:

الاشتراکیۃ حسنہا بعض الحکماء مثل	بعض یونانی حکماء مثلاً اسپارٹہ کا قانون ساز لائی کرگس
لائی کرگس مقنن اسبارطہ وفلاطون و	(LYCURGUS) اور افلاطون (۳۴۷ ق م) قبل
وضعہا علی امۃ ولکنہا لم تبق لاختلاف	مسیح نے اشتراکیت کی تعریف کی ہے بلکہ ایک
الاستعدادات وھی الآن ایضا یدعو الیہا	قوم پر اس کا تجربہ بھی کیا لیکن صلاحیتوں کے

* اس تحریر کی اشاعت کے وقت روس میں کمیونسٹ نظام کا جنازہ نکل چکا ہے۔ سوویت اتحاد ختم ہوگیا ہے اور اس کی حکومتیں اپنی اپنی جگہ آزادی کا اعلان کرکے نیا سیاسی و معاشی نظام اپنانے جا رہی ہیں۔

بعض الدعاة ويتهالك عليها العامة
ولكنها ممقوتة عند الامراء والاغنياء
فصارت مثار التخالف والتشاكس
فى الامة واشرأب منها فتنة لاتكاد
تطفا لظاها. قال الله تعالىٰ: انهم
يقسمون رحمة ربك نحن قسمنا
بينهم معيشتهم فى الحياة الدنيا
ورفعنا بعضهم فوق بعض درجات
ليتخذ بعضهم بعضا سخريا ورحمة
ربك خير مما يجمعون (٤٣ : ٣٢).

اختلاف کی وجہ سے یہ چل نہ سکی۔ آج بھی اس کی
طرف کچھ لوگ دعوت دے رہے ہیں اور عوام
کالانعام اس پر لوٹے پڑ رہے ہیں۔ لیکن امراء
و اغنیاء کو اس سے سخت نفرت ہے جس کی
وجہ سے طبقاتی کشمکش اور افتراق پیدا ہو گیا
ہے اور اس سے ایک ایسا فتنہ جنم لے رہا ہے
جس کی آتش سوزاں سرد ہونے کا نام نہیں
لیتی، سچ ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد: "کیا یہ
لوگ تیرے رب کی رحمت کو بانٹنا چاہتے
ہیں جبکہ ان کی اس دنیوی زندگی میں ہم نے
ان کی معیشت بانٹ رکھی ہے اور ان میں
سے بعض کو بعض کے اوپر اونچا کر رکھا ہے
تاکہ ان کے بعض بعض کو تابع بنا کر رکھیں۔
تمہارے رب کی رحمت تو اس سے کہیں بہتر
چیز ہے جو یہ جمع کر رہے ہیں۔

اس مختصر سے بیان میں علامہ نے کمیونزم پر جو بےلاگ تبصرہ کیا ہے وہ بڑی بڑی تحریروں پر بھاری ہے۔ آپ کی رائے میں دورِ جدید کا کمیونزم قدیم یونانیوں کا ایک چبایا ہوا لقمہ ہے۔ یہ تجربہ ایک بار ناکام ہو چکا ہے اور تاریخ پھر اپنے کو دہرانے والی ہے۔ یہ نظام غیر فطری ہے چونکہ لوگوں کی صلاحیتیں یکساں نہیں ہیں، اس لیے ان کے ساتھ یکساں سپاٹ میکانکی سلوک بھی نہیں ہو سکتا۔

اشتراکیت کے بعض دھڑوں نے انارکی یا فوضی کی راہ کو اپنے لیے راہِ نجات سمجھا اور ان ظریفوں نے اس کو باقاعدہ ایک نظامِ حیات کے طور پر پیش کرنا شروع کر دیا۔ ان میں جوزف پرادھون JOSEPH PROUDHON (١٨٠٩ء – ١٨٦٥) اور میخائیل باکونین MIKHAIL BAKUNIN (متوفی ١٨٧٦) قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے مطابق حکومت ہی ساری برائیوں کی جڑ ہے۔ اس لیے اپنے سارے معاملات انفرادی طور پر حل

کیے جائیں اور کوئی مرکزی حکومت نہ ہو[۱۲]۔ علامہ فراہی نے اس نظریہ کو بھی تاریخ اور قرآنی آیات کی روشنی میں گمراہ کن قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

الفوضی کانت ممقوتۃ عند العرب و یعدونھا من امارۃ الحمق ولکن الآن قامت لھا الدعاۃ فی المغرب واستغووا بھا العامۃ کانھا مثارۃ للفتن وھدم النظام الانسانی قال تعالیٰ: اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم (۴:۵۹)، ثم قال تعالیٰ: وامرھم شوریٰ بینھم (۴۲:۳۸)۔[۱۳]

انارکی عربوں کے یہاں سخت ناپسندیدہ تھی اور اس کو وہ احمقوں کی سرداری قرار دیتے تھے لیکن آج مغرب میں اس کے مبلغین اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور عامۃ الناس کو گمراہ کر رہے ہیں۔ حالانکہ یہ اپنی ہم جنس کی طرح ہی فتنہ انگیز اور انسانی نظام کو ملیامیٹ کرنے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے صاحب امر لوگوں کی"۔۔۔۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے: "ان کا معاملہ باہم مشورہ سے طے ہوتا ہے"۔

اسلامی معیشت میں اقدار کی کارفرمائی:

اشتراکیت کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ اصل چیز مقصد و غایت ہے خواہ وہ کسی بھی ذریعہ سے حاصل ہو۔ دوسرے لفظوں میں یہ نظام انسانی قدروں کی پروا نہیں کرتا اگر وہ اس کے مقاصد کی راہ میں رکاوٹ ہوں[۱۴]۔ علامہ فراہی نے اس کا سختی سے رد کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں: فلیس الامر کما زعم الظالمون ان حسن الغایۃ یحسن الذریعۃ السیئۃ[۱۵] (بات وہ نہیں ہے جو ظالم لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ مقصد کی اچھائی ناپسند ذریعہ کو محمود بنا دیتی ہے)۔ مقصد اچھا ہو تو بھی اس کے حصول کے لیے ناپسند ذریعہ محمود نہیں بن سکتا۔ سرمایہ دارانہ نظام جو کہ انسانی اقدار کے سلسلہ میں بے پروا ہے اور اشتراکی نظام جو کہ بعض حالات میں اخلاقی قدروں کو پامال کر دینے کی دعوت دیتا ہے ان دونوں کے برخلاف علامہ فراہی نے اقدار پر مبنی نظام معیشت کی حمایت کی ہے۔ ان کے مطابق صلاح و تقویٰ اور اخلاقی

قدروں کی پابندی سے حسی وغیر حسی طور پر معاشی برکات حاصل ہوتی ہیں۔ سورۃ نوح کی آیات فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۙ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۙ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۙ (نوح ۱۰-۱۲) کی تشریح میں امام فراہیؒ فرماتے ہیں:

بالشریعۃ والصلاح تعمر الارض ویکثر النسل لما فیھا من المصالح الملکیۃ والجسمیۃ[۱۶]	شریعت اور نیکوکاری کے نتیجے میں زمین آباد اور آل اولاد میں افزائش ہوتی ہے کیونکہ اس میں ملکوتی وجسمانی دونوں مصالح ہیں۔

اسی طرح انسان کے معاشی رویوں پر عقیدۂ آخرت کا بڑا گہرا اثر پڑتا ہے۔ سورۃ التطفیف کی آیات ۱-۶ سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

الشح والکسب بالحرام یاتی من الانکار بالمعاد والعدل وعدم الخشیۃ للہ[۱۷]	بخل اور حرام طریقوں سے کمائی کی اصل وجہ آخرت اور عدل الٰہی سے انکار نیز خدا سے بے خوفی ہے۔

اسلامی معاشیات میں صدقہ وانفاق کا مقام:

سرمایہ دارانہ نظام تمام تر سود کے تعامل اور کمزور طبقات کے استحصال پر مبنی ہے اس کے برخلاف اسلامی معاشیات میں صدقہ وانفاق کے ذریعہ دولت کے ارتکاز کو ختم کرنے اور دولت کی گردش کو جاری وساری رکھنے پر زور دیا گیا ہے۔ مولانا فراہیؒ ربا کو زکات وصدقات کی عین ضد سمجھتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں الربا خلاف الصدقہ (ربا دراصل صدقہ کی ضد ہے)[۱۸]۔

سورۃ القصص کی آیت وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ (القصص) کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

الانفاق مما رزقنا واجب وضدہ فساد فی الارض ومن ھنا الربا فساد فی الارض ومقت من اللہ[۱۹]	اپنے مال واسباب میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا واجب ہے اور اس کے بالمقابل فساد فی الارض ہے۔ یہیں سے یہ بات نکلی کہ ربا کا

عمل زمین میں فساد پھیلانے اور اللہ کی ناراضگی
کے مترادف ہے۔

اس نظام میں اصل مالک اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ہے:

اسلام نہ تو اشتراکیت کی طرح افراد کو ذاتی ملکیت سے محروم کرتا ہے اور نہ ہی نظام سرمایہ داری کی طرح ان کو بے قید ملکیت کی اجازت دیتا ہے۔ اس نظام کی رو سے اصل مالک اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ہیں۔ انسان کے ہاتھ میں ملکیت محض ایک امانت ہے جس کا حساب مالک حقیقی کو دینا ہوگا۔ سورۃ الزمر کی آیت اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (الزمر۵۲) کے بیان میں امام فراہی تحریر کرتے ہیں:

مع كدكم وكيدكم بسط الرزق ترزقون بمشيئة الله ففي ذلك آية انه هو الوكيل على كل شيء وله مقاليد السموات والارض ثم هو يغفر ذنوبكم جميعا فلا حاجة الى الانداد والشفعاء ثم في ذلك آية على انه جعل القدر لكل شيء فلا بد ان للدنيا اجلا ولهذا اليوم غدا۔ ثم في ذلك آية على انه الرازق فلا يتركهم سدى ولا بد ان يحاسبهم۔[۲۰]

تمہاری چالوں اور چالاکیوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے رزق میں کشادگی دی ہے۔ جس کی مشیت سے تمہیں روزی عطا ہوتی ہے۔ اس آیت میں دلیل ہے اس بات کی کہ اللہ ہی ہر چیز کا مالک ہے۔ اسی کے ہاتھوں میں آسمانوں اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں ہیں وہی تمہارے سارے گناہوں کی مغفرت فرماتا ہے اس لیے اس کے سفارشی و شریک ٹھہرانے کی کوئی وجہ نہیں۔ پھر یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے اندازے مقرر کر رکھے ہیں اس لیے لازماً اس دنیا کی بھی ایک مدت ہے اور امروز کے لیے فردا ہے اس آیت میں یہ دلیل بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی رزق دینے والا ہے اس لیے وہ لوگوں کو بیکار

نہیں چھوڑے گا اور مغرور ان سے صاف بچ جائیں گے۔

نعمت و ثروت امتحان کے لیے ہے:

اسلامی نظام معیشت کا ایک بنیادی نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نعمت و ثروت امتحان کے لیے دیا ہے تاکہ یہ دیکھے کہ بندہ شکر کرتا ہے یا کفر۔ کسی نعمت کو اپنے علم و جدوجہد کا ثمرہ سمجھنے کی وجہ سے ظلم و تعدی کا رجحان پیدا ہوتا ہے اور ملک و مال پر غرور کے نتیجہ میں استکبار اور فساد فی الارض کو بڑھاوا ملتا ہے۔ سورۃ القصص کی آیت تلك الدار الآخرة نجعلها للذين لا يريدون علوا في الارض ولا فسادا، والعاقبة للمتقين کی تفسیر میں مولانا فراہی لکھتے ہیں:

هدى الى امر عظيم من صلاح النفس وفسادها وقد خفي على الناس وقد هلك بجهله افراد وامم وضرب له مثلا من فرعون وقارون و اعلم ان ارادة العلو في النفس هي بذر الفساد في الارض وهو كل ظلم وجريمة وانما ينشأ من رؤية النعمة التي هي بلاء من الرب ليتخرج به شكرا من العبد او كفرا۔ فمن رأها من الرب وشكره فقد اهتدى بها ومن رأها من علمه وجده فقد ضل وطغى،[٧١]

نفس کے بناؤ بگاڑ کے سلسلہ میں یہ ایک نہایت عظیم شئی کی طرف رہنمائی ہے، جو اکثر لوگوں سے مخفی رہی اور جس سے غفلت کی وجہ سے افراد اور قومیں تباہی کا شکار ہوئیں اس کی وضاحت کے لیے فرعون و قارون کے واقعات سے مثال بیان کی۔ اس حقیقت سے باخبر رہنا چاہیے کہ نفس میں بڑے بننے کی خواہش ہی زمین میں فساد کی جڑ اور تمام تر ظلم و زیادتی کی وجہ ہے اور یہ چیز نعمت الٰہی کی طرف انسان کے رویہ پر منحصر ہے جو کہ خدا کی طرف سے آزمائش کے لیے ہوتی ہے تاکہ وہ دیکھے کہ بندہ شکرگزار بنتا ہے یا ناشکرا، چنانچہ جو اسے خدا کا عطیہ سمجھتا ہے اور اس کا شکر ادا کرتا ہے وہ راہ یاب ہوتا ہے اور جو اس کو اپنے علم اور اپنی کوشش کا نتیجہ سمجھتا ہے وہ گمراہی و سرکشی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

تعاون وتناصر پر مبنی معاشی نظام :

قرآن کی رو سے انسانوں کے درمیان حالات و درجات کے تفاوت کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ نوع انسانی ایک دوسرے کے ساتھ تعاون وتناصر سے کام لے کیونکہ اصل کامیابی وکامرانی آخرت کی ہے جو متقین ومحسنین کے لیے مقدر ہے۔ سورۃ الزخرف آیت ۳۲ کی تفسیر میں مولانا فراہی رقم طراز ہیں:

تفاوت الدرجات لمصلحة التعاون فی اعمال بها العروج فی التمدن۔[۲۲]

درجات میں تفاوت کی حکمت یہ ہے کہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ ان کاموں میں تعاون کرسکیں جن پر تمدنی ترقی کا انحصار ہے۔

مزید فرمایا:

ولکن جعل الناس امة واحدة خلاف مصلحتهم فقسم الرب معيشتهم على حكمة بها يكون قيامهم بالتعاون فالكفار متمتعون كما قال (بل متعت هؤلاء وآبائهم ۔۔۔ الآية) ولكن متاع الدنيا قليل والعاقبة للمتقين۔[۲۳]

تمام لوگوں کو ایک طرح کا بنا دینا اس کی مصلحت کے خلاف تھا اس لیے رب نے ان کی دنیوی زندگی کے ساز وسامان کو حکمت کے ساتھ ان میں تقسیم کیا جس میں ان کی بقا ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ یہاں کفار مزے کرتے ہیں جیسا کہ ایک جگہ ایک نبی کی زبانی ارشاد ہے کہ اے خدا صحیح یہ ہے کہ تو نے ان میں اور ان کے آباؤ اجداد کو نوازا ہے" لیکن متاع دنیا چند روزہ ہے انجام کار کامیابی متقین کے لیے ہے۔

خاتمۂ کلام :

اس طرح جہاں ایک طرف مولانا فراہی نے سرمایہ دارانہ نظام کے لہو فاسد - ہر طرح کے سود - پر ضرب کاری لگا کر اسے قرآنی نظام صدقات کی ضد اور فساد فی الارض قرار دیا۔ وہیں اشتراکیت کو قرآنی نظام تقسیم

اور تسخیر و تعاون پر مبنی انسانی فطرت سے بغاوت بھی اس دو باہم متحارب و متخالب نظامہائے معیشت کو رد کرنے کے بعد آپ کی تحریروں سے آپ کا اقتصادی مسلک جو سامنے آتا ہے اسے قرآنی اقتصادی نظام کہنا زیادہ مناسب رہے گا۔ جیسا کہ آغازِ کلام میں عرض کیا گیا، علامہ فراہی نہ تو ماہر معاشیات تھے اور نہ ہی انھوں نے معاشی موضوعات پر قلم اٹھایا لیکن مطالعہ قرآن کے دوران آپ نے معاشی نکات پر جو جستہ جستہ فقرات لکھ دیئے ہیں انھیں دیکھتے ہوئے خیال ہوتا ہے کہ آپ اس طرف توجہ فرماتے تو اس وقت ہمارے سامنے قرآنی معاشیات کا ایک بہترین مرقع موجود ہوتا۔ وفوق کل ذی علم علیم۔

حواشی

[1] شپیرو، اڈورڈ، میکرو اکنامکس انلسیس

SHAPIRO, E. 'MACROECONOMIC ANALYSIS' 5 th ed. NEW YORK HARCOURT BRACE JOVANORICH. 1990 P.P. 163-68.

[2] اس بحث کی بعض تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو:

ISLAHI, ABDUL AZIM. 'ECONOMIC CONCEPTS OF IBN TAIMIYAH' LEICESTER, ISLAMIC FOUNDATION 1988 P P. 123-26

[3] الرازی، فخر الدین، التفسیر الکبیر، قاہرہ المطبعۃ البھیۃ المصریۃ ۱۹۳۸ جلد ۵ ص ۹۲

[4] فضل الرحمن (گنوری)، تجارتی سود تاریخی اور فقہی نقطۂ نظر سے، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ۱۹۶۷ پیش لفظ ا۔ ح

[5] فضل الرحمن (گنوری) حوالہ بالا

[6] فراہی، حمید الدین، مخطوطہ حواشی قرآن کریم سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۷۵

اصلاحی، امین احسن۔ تدبر قرآن جلد اول - لاہور فاران فاؤنڈیشن ۱۹۸۵ ص ۶۳۹

[7] اصلاحی، امین احسن، تدبر قرآن حوالہ بالا ص ۶۳۸ - ۶۳۹

[8] HANEY, LEWIS H., 'HISTORY OF ECONOMIC THOUGHT' NEW YORK, MACMILLAN, 1921 P. 443.

۹ہ فراہی، حمیدالدین۔ فی ملکوت اللہ، سرائے میر الدائرۃ الحمیدیہ ۱۳۹۱ طبع اول ص۱۹۔

۱۰ہ فراہی، حمیدالدین فی ملکوت اللہ حوالہ بالا ص ۴۶، ۴۷ من افاداتہ

۱۱ہ جہانیاں جہاں گشت لائیکرگس کا زمانہ ۹۰۰ سے ۷۰۰ قبل مسیح کا بتایا جاتا ہے۔ اس نے اسپارٹہ کی حکومت کے دستور و قوانین کو مرتب کیا اور سماجی ڈھانچہ کی تعمیر نو کی۔

۱۲ہ OSER, JACOB. 'THE EVOLUTION OF ECONOMIC THOUGHT' NEW YORK H B & WORLD INC. 1971 PP 133-34

۱۳ہ فراہی، حمیدالدین، فی ملکوت اللہ حوالہ سابق

۱۴ہ احمد، پروفیسر خورشید۔ سوشلزم یا اسلام، دہلی مرکزی مکتبہ اسلامی ۱۹۸۲ ص ۸۱ – ۸۲۔

۱۵ہ فراہی، حواشی قرآن بر آیات ۷۰-۷۴ سورۃ البقرہ (مخطوطہ)

۱۶ہ ایضاً " " " ۱۰-۱۲ سورۃ النوح "

۱۷ہ ایضاً حوالہ بالا حاشیہ بر آیات ۲۹-۳۳ سورۃ التطفیف "

۱۸ہ ایضاً " حاشیہ بر آیت ۲۷۵ سورۃ البقرہ "

۱۹ہ ایضاً حاشیہ بر آیت ۷۷ سورۃ القصص "

۲۰ہ ایضاً حاشیہ بر آیت ۵۲ سورۃ الزمر "

۲۱ہ ایضاً حاشیہ بر آیت ۸۳ سورۃ القصص "

۲۲ہ ایضاً حاشیہ بر آیات ۳۱-۳۵ سورۃ الزخرف "

۲۳ہ ایضاً

ششماہی علوم القرآن علی گڑھ ۶/۱ و ۲، جنوری۔دسمبر ۱۹۹۱ء

سعودی عرب میں قرآنیات پر شائع شدہ عربی کتب

(۱۴۰۰ — ۱۴۰۹ھ)

ترتیب : محمد خیر یوسف
ترجمہ : ظفر الاسلام اصلاحی

علوم القرآن کے سابق شماروں میں جامعۃ الملک عبدالعزیز (جدہ) کی مرکزی لائبریری کے قرآنی مخطوطات (۱ و ۲ جنوری۔جون ۱۹۸۹ء)، جامعۃ الامام (ریاض) اور جامعۃ ام القریٰ (مکۃ المکرمہ) کے قرآنیات پر تحقیقی مقالات (۱ و ۱ جولائی۔دسمبر ۱۹۸۵ء و ۱/۳-۲ جنوری۔دسمبر ۱۹۸۸ء بالترتیب) کے بارے میں معلومات فراہم کی جاچکی ہیں۔ ذیل میں اسی سلسلہ کی ایک اور کڑی سعودی عرب میں قرآنیات پر شائع شدہ کتابوں کی ببلوگرافی پیش کی جارہی ہے جو یقیناً قرآنی علوم سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے بہت مفید و قیمتی ثابت ہوگی۔ پیش نظر کتابیات (BIBLIOGRAPHY) قرآنی علوم کے موضوع پر ان کتابوں سے تعلق رکھتی ہے جو سعودی عرب میں گزشتہ دس سال (۱۴۰۰-۱۴۰۹ھ) کے عرصہ میں شائع ہوئی ہیں۔ یہ ببلوگرافی دراصل مرتب کی زیر تکمیل کتاب (معجم المطبوعات الاسلامیہ فی المملکۃ العربیۃ السعودیہ ۱۴۰۰-۱۴۰۹ھ) کا ایک حصہ ہے اور ریاض کے معروف عربی مجلہ "عالم الکتب" کے شمارہ ۱۲/۱ رجب ۱۴۱۲ھ (جنوری ۱۹۹۱ء) میں "علوم القرآن: ببلوجرافیا ما صدر فی المملکۃ العربیۃ السعودیہ" کے عنوان سے شائع ہوئی ہے۔ مذکورہ معجم کی تیاری کے دوران ہی مرتب کو یہ خیال آیا کہ قرآنی علوم سے متعلق جمع کردہ مواد کو مجلہ "عالم الکتب" میں شائع کر دیا جائے تا کہ وہ قرآنیات کے میدان میں عام افادہ کا ذریعہ بن سکے نیز اس سے یہ واضح ہو سکے گا کہ مذکورہ دس سال کی مدت میں سعودی عرب میں قرآن کریم اور قرآنی علوم سے متعلق کتابوں کی طباعت و اشاعت میں کس درجہ اہتمام و دلچسپی سے کام لیا گیا۔ مجلہ "عالم الکتب" میں شائع شدہ اس اہم ببلوگرافی کی فوٹو کاپی برادر مکرم ڈاکٹر محمد اجمل اصلاحی صاحب (استاذ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ) کی عنایت سے ادارہ کو دستیاب ہوئی ہے۔

مرتب نے اس ببلوگرافی میں قرآنیات پر ان کتابوں کا احاطہ کیا ہے جو مذکورہ مدت کے دوران سعودی عرب میں شایع ہوئی ہیں لیکن یہاں یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ مرتب نے "شائع ہونے" سے تین صورتیں۔ کسی کتاب کا اصلاً طبع ہونا، عکسی ایڈیشن کا نکلنا یا تقسیم کار (DISTRIBUTOR) کی حیثیت سے کسی کتاب کی نکاسی کا اہتمام مراد لی ہیں۔ اس طرح انھوں نے قرآنی علوم کے موضوع پر ان تمام کتابوں کے بارے میں معلومات فراہم کی ہیں جو واقعۃً سعودی عرب میں چھپی ہیں یا ان کا عکسی ایڈیشن نکلا ہے یا وہاں کا کوئی ادارہ یا مکتبہ اس کا تقسیم کار ہے لیکن اندراجات کے ضمن میں بہت سے مقالات پر ان تینوں قسموں کی کتابوں کو کوئی امتیاز نہیں قائم کیا گیا ہے جس کی وجہ سے صاف طور پر یہ واضح نہیں ہوتا کہ درج کی جانے والی کتاب ان میں سے کس قسم سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کے علاوہ متعدد اندراجات میں ایک سے زائد اداروں، کتب خانوں اور اشاعتی مراکز کا ذکر ہے لیکن ان میں سے بیشتر مقامات پر یہ وضاحت مفقود ہے کہ کون سا ادارہ یا مکتبہ اصلاً اس کتاب کا ناشر ہے اور سعودی عرب کے جس ادارہ یا مکتبہ کا ذکر ہے مندرجہ کتاب کی نسبت سے اس کی کیا حیثیت (طابع، ناشر، تقسیم کار) ہے۔ غالباً جس ادارہ یا مکتبہ کا ذکر پہلے کیا گیا ہے وہی اصلاً اس کا ناشر ہے۔

قرآنیات پر یہ ببلوگرافی موضوع کے اعتبار سے دس حصوں میں منقسم ہے اور ہر حصہ کے اندراجات حروف تہجی کے مطابق مرتب کیے گئے ہیں۔ مختلف حصوں میں اس کی تقسیم درج ذیل نہج پر کی گئی ہے۔

(۱) قرآنی علوم کی تدوین و ترتیب سے تعلق رکھنے والی کتابیں

(۲) مصاحف (بشمول اجزاء)

(۳) سُور و آیات (بشمول معجم، اشاریہ، قاموس)

(۴) قرآن کریم کا نزول و اس کی تاریخ

(۵) فقہ القرآن اور قرآنی الفاظ و مصطلحات کی تشریح و توضیح

(۶) علم تفسیر، مناہج تفسیر و کتب تفسیر

(۷) علم قرأت و تجوید

(۸) قصص القرآن الکریم

(۹) اعجاز القرآن

(۱۰) مختلف قرآنی مباحث

ذیل میں حصہ دوم کے علاوہ باقی تمام حصوں کے اندراجات کا اردو ترجمہ مع ضروری تشریحات پیش کیا جارہا ہے۔ اصل مضمون میں اندراجات مسلسل عبارت میں ہیں یہاں افادہ میں آسانی کے لیے اسے مختلف کالموں کے تحت مرتب کردیا ہے بعض اندراجات نامکمل ہیں مثلاً کہیں سنہ طباعت درج نہیں ہے، کہیں مقام اشاعت موجود نہیں اور کہیں کوئی اور تفصیل درج ہونے سے رہ گئی ہے۔ ان اندراجات کو ایسے ہی نامکمل صورت میں پیش کردیا گیا ہے۔

(مترجم)

۱۔ قرآنی علوم کی تدوین و ترتیب سے متعلق کتب:

کتاب	مصنف / مولف	تحقیق، تدوین / تعلیق و حواشی (ح) (ت)	تفصیلات اشاعت	جلد/صفحات
آثار الحنابلۃ فی علوم القرآن المطبوع۔ المخطوط۔ المفقود	سعود بن عبداللہ الفنیسان		س ع۔ الفنیسان، ریاض، ۱۴۰۹ھ	
الاتقان فی علوم القرآن	جلال الدین السیوطی	ح: محمد شریف سکر مراجعت: مصطفیٰ القصاص	دار احیاء العلوم بیروت، مکتبۃ المعارف، ریاض، ۱۴۰۷ھ	۲ جلدیں
حکایۃ المناظرۃ فی القرآن مع بعض اہل البدعۃ	ابو محمد عبداللہ بن احمد المقدسی	ت: عبداللہ یوسف الجدیع	مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۰۹ھ	۷۱
زبدۃ الاتقان فی علوم القرآن	محمد بن علوی المالکی		دار الشروق، جدہ، ۱۴۰۳ھ	۱۶۴
			دار الشروق، جدہ، ۱۴۰۶ھ (طبع دوم)	۱۸۵
الفوائد المشوق الی علوم القرآن و علم البیان	ابن القیم الجوزیہ		دار الکتب العلمیہ، بیروت مکتبۃ المعارف، ریاض، ۱۴۰۰ھ	۲۶۰
فی الدراسات القرآنیہ واللغویہ	عبدالفتاح شلبی		دار الشروق، جدہ، ۱۴۰۳ھ	
مباحث فی علوم القرآن	مناع خلیل القطان		دار المریخ، ریاض، ۱۴۰۵ھ	۴۲۸

کتاب	مصنف / مولف	تحقیق، تدوین / تعلیق و حواشی	تفصیلات اشاعت	جلد/صفحات
		(ت) (ح)		
المدخل لدراسة القرآن الكريم	محمد ابو شهبة		دار اللواء، ریاض، ۱۴۰۷ھ (طبع سوم)	۴۹۲
نفحات من علوم القرآن	محمد احمد معبد		مکتبہ طیبہ، مدینہ منورہ، ۱۴۰۲ھ	۱۸۴
الوحی والقرآن	عبد الحمید ابراہیم سرحان		نادی جازان الادبی، جازان، ۱۴۰۰ھ	۱۶۵

۲۔ سور وآیات (بشمول معجم، اشاریہ، قاموس):

کتاب	مصنف / مولف	تحقیق، تدوین / تعلیق و حواشی	تفصیلات اشاعت	جلد/صفحات
البرهان فی تناسب سور القرآن	احمد بن ابراہیم	ت: سعید الفلاح	جامعة الامام محمد بن سعود الاسلامیة، ریاض، ۱۴۰۸ھ	
تفصیل آیات القرآن الحکیم	محمد فؤاد عبد الباقی		دار القبلة، جدہ، ۱۴۰۳ھ	۷۷۵
الفرائد الحسان فی عد آی القرآن ومعہ شرحہ نفائس البیان	عبد الفتاح بن عبد الغنی		مکتبة الدار، مدینہ منورہ، ۱۴۰۴ھ	۷۵
فہرس فی ظلال القرآن	یوسف خاطر		دار ابن القیم، دمام، ۱۴۰۰ھ	۲۶
قاموس الفاظ القرآن الکریم: عربی - انجلیزی	عبد اللہ عباس ندوی		دار الشروق، جدہ، ۱۴۰۳ھ	۱۹۶
معجم مصنفات القرآن الکریم	علی شواخ اسحاق		دار الرفاعی، ریاض، ۱۴۰۴ھ	۴ جلدیں
معلمة القرآن والحدیث فی المغرب الاقصی	عبد العزیز عبد اللہ		جامعة الامام محمد بن سعود الاسلامیة، ریاض، ۱۴۰۵ھ	۲۰۷
مفتاح کنوز فی ظلال القرآن	محمد یوسف عباس		دار طیبة، ریاض، ۱۴۰۴ھ	۲ جلدیں
الہدی والبیان فی اسماء القرآن	صالح بن ابراہیم البلیہی		ریاض، ۱۴۰۲ھ (طبع دوم)	۲ جلدیں

۳۔ قرآن کریم کا نزول اور اس کی تاریخ:

کتاب	مصنف / مولف	تحقیق، تدوین / تعلیق و حواشی	تفصیلات اشاعت	جلد/صفحات
اسباب النزول	ابو الحسن علی الواحدی	ت: سید احمد صقر	دار القبلة، جدہ، ۱۴۰۳ھ (طبع دوم)	۵۴۲
			دار القبلة، جدہ، ۱۴۰۴ھ (طبع سوم)	۵۸۳
تاریخ القرآن الکریم	محمد سالم محیسن		رابطة العالم الاسلامی، مکة المکرمة، ۱۴۰۲ھ	۱۶۴

کتاب	مصنف / مؤلف	تحقیق وتدوین / تعلیق وحواشی	تفصیلات اشاعت	جلد/صفحات
التبیان فی نزول القرآن	احمد بن عبد الحلیم بن تیمیہ	ت: عبد الحمید شالوخ	دار المطبوعات الحدیثۃ، جدہ، ۱۴۰۱ھ	۳۶
جامع النقول فی اسباب النزول وشرح آیاتہا	ابن خلیفہ علیوی		شرکۃ الراجحی للصرافۃ والتجارۃ ریاض ۱۴۰۳ھ	۶۲۳
الصحیح المسند من اسباب النزول	مقبل بن ہادی الوادعی		مکتبۃ المعارف، ریاض، ۱۴۰۵ھ	۱۸۸
فضائل القرآن وما انزل من القرآن بمکۃ وما انزل بالمدینۃ	ابو عبد اللہ محمد بن ایوب	ت: مسفر بن سعید الغامدی	دار حافظ، جدہ، ۱۴۰۸ھ	۲۲۰

۴۔ فقہ القرآن اور قرآنی الفاظ ومصطلحات کی تشریح وتوضیح (اعراب القرآن، غریب القرآن، ناسخ ومنسوخ، مجمل ومبین، محکم ومتشابہ، مطلق ومقید)

اعراب ثلاثین سورۃ من القرآن الکریم	ابن خالویہ	ت: محمد ابراہیم سلیم	مکتبۃ الساعی، ریاض، ۱۴۰۹ھ	۲۵۶
الافعال فی القرآن الکریم: دراسۃ استقرائیۃ للفعل فی القرآن الکریم فی جمیع قراءاتہ	عبد الحمید مصطفیٰ السید		دار البیان العربی، جدہ، ۱۴۰۶ھ	۳ جلدیں ۱۵۴۰
الایضاح لناسخ القرآن ومنسوخہ ومعرفۃ اصولہ واختلاف الناس فیہ	مکی بن ابی طالب	ت: احمد حسن فرحات	دار المنارۃ، جدہ، ۱۴۰۶ھ	۴۶۹
التاویل النحوی فی القرآن الکریم	عبد الفتاح احمد الحموز		مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۰۴ھ	۲ جلدیں ۱۴۹۵
تذکرۃ الاریب فی تفسیر الغریب	ابو الفرج بن الجوزی	ت: علی حسین البواب	مکتبۃ المعارف، ریاض، ۱۴۰۷ھ	۲ جلدیں
تفسیر کلمات القرآن الکریم	حسنین محمد مخلوف		مکتبۃ دار التراث، مدینہ منورہ؛ دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۰۵ھ	۴۹۰
تفسیر المشکل من غریب القرآن	مکی بن ابی طالب	ت: علی حسین البواب	مکتبۃ المعارف، ریاض، ۱۴۰۶ھ	۳۱۸
جزء عم وبہامشہ تفسیر کلمات القرآن			دار التراث، مدینہ منورہ، ۱۴۰۹ھ	
جزء عم ۔ وبہامشہ کلمات القرآن تفسیر وبیان	حسنین محمد مخلوف		مؤسسۃ علوم القرآن، دار القبلۃ، جدہ، ۱۴۰۰ھ	۳۲۰

کتاب	مصنف / مؤلف	تحقیق و تدوین / تعلیق و حاشیہ	تفصیلات اشاعت	جلد / صفحات
رسالۃ کلا فی الکلام والقرآن	ابوجعفر احمد بن محمد الطبری	ت، ع: احمد حسن فرحات	المکتبۃ الدولیۃ ریاض، موسسۃ و مکتبۃ الخافقین، دمشق ۱۴۰۲ھ	۵۶
شواہد القرآن	ابوتراب الظاہری		نادی جدۃ الادبی، جدہ ۱۴۰۴-۹ھ	۲ جلدیں
النظامات فی القرآن الکریم	ابوعمر الدانی	ت: علی حسین البواب	مکتبۃ المعارف، ریاض، ۱۴۰۶ھ	۵۱
ظاہرۃ الاعراب فی النحو العربی و تطبیقہا فی القرآن الکریم	احمد سلیمان یاقوت		جامعۃ الملک سعود، عمادۃ شوؤن المکتبات ریاض ۱۴۰۱ھ	۱۶۴
ظاہرۃ التاویل فی اعراب القرآن الکریم: دراسۃ تحلیلیۃ لموقف النحاۃ من القراءات القرآنیۃ	محمد عبدالقادر ہنادی		مکتبۃ الطالب الجامعی، مکۃ المکرمۃ ۱۴۰۸ھ	۴۵۹
فتح الرحمٰن بکشف ما یلتبس فی القرآن	ابویحییٰ زکریا الانصاری	ت، ح: عبدالسمیع محمد احمد حسنین	مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، ریاض، ۱۴۰۴ھ	۷۰۹
فوائد فی مشکل القرآن	عبدالعزیز بن عبدالسلام	ت: سید رضوان علی	دارالشروق، جدہ، ۱۴۰۲ھ (طبع دوم)	۳۲۵
القرآن الکریم۔ وبہامشہ کلمات القرآن: تفسیر و بیان	حسنین محمد مخلوف		دار الہجرۃ بیروت، دمشق مکتبۃ المطبوعات الاسلامیہ مکۃ المکرمۃ، ۱۴۰۰ھ	۵۲۲
قضایا الجملۃ الخبریۃ فی کتب اعراب القرآن ومعانیہ حتی نہایۃ القرن الرابع الہجری	معیض بن مساعد العوفی		م م م العوفی، ریاض ۱۴۰۳ھ	۲ جلدیں ۴۹۹
کلمات القرآن: تفسیر و بیان	حسنین محمد مخلوف		مکتبۃ مرزا، جدہ (تقسیم کار: دار القبلۃ جدہ) ۱۴۰۰ھ، موسسۃ علوم القرآن، دمشق، ۱۴۰۱ھ (طبع دوم)	م ۴۴، ۶۱۲
کلمات بین المفسرین والمحدثین و اہل اللغۃ	محی الدین خلیل الربیع		کلیۃ التربیۃ، جامعۃ الریاض ریاض، ۱۴۰۰ھ	۵۴

کتاب	مصنف/مؤلف	تحقیق وتدوین/تعلیق وحواشی	تفصیلات اشاعت	جلد/صفحات
مشتبه القرآن العظیم	احمد بن جعفر المنادی	ت: عبداللہ بن محمد الغنیمان	کلیۃ القرآن الکریم والدراسات الاسلامیۃ، الجامعۃ الاسلامیہ، مدینہ منورہ، سنہ ۱۴۰۸ھ	۲۴۶
المجموع المغیث فی غریبی القرآن والحدیث	محمد بن ابی بکر الاصفہانی	ت: عبدالکریم العزباوی	مرکز البحث العلمی واحیاء التراث الاسلامی، جامعۃ ام القری، مکۃ المکرمۃ، سنہ ۱۴۰۰ھ	۳ جلدیں
المسائل السفریۃ فی النحو: ابحاث نحویہ فی مواضع من القرآن الکریم	ابن ہشام الانصاری	ت: علی حسین البواب	دار طیبۃ، ریاض، سنہ ۱۴۰۳ھ	۱۱۹
معترك الاقران فی مبہمات القرآن	جلال الدین السیوطی	ح: محمد ابراہیم سلیم	مکتبۃ الساعی، ریاض، سنہ ۱۴۰۶ھ	۱۷۶
نحو القراء الکوفیین	خدیجہ احمد مفتی		المکتبۃ الفیصلیۃ، مکۃ المکرمۃ، سنہ ۱۴۰۶ھ	۵۱۴
النحو القرآنی: قواعد وشواہد	جمیل احمد ظفر		مطابع الصفا، مکۃ المکرمۃ، سنہ ۱۴۰۸ھ	۶۰۵
النسخ فی القرآن الکریم: مفہومہ وتاریخہ ودعاواہ	محمد صالح علی مصطفی		دار القلم، دمشق؛ تقسیم کار: دار المنارہ، جدہ، سنہ ۱۴۰۹ھ	۷۲
نظریۃ النحو القرآنی: نشأتہا وتطورہا ومقوماتہا الاساسیہ	احمد مکی الانصاری		دار القبلۃ، جدہ، سنہ ۱۴۰۵ھ	۳۰۰
نواسخ القرآن	ابن الجوزی	ت: محمد اشرف علی الملباری	الجامعۃ الاسلامیہ، مدینہ منورہ، سنہ ۱۴۰۴ھ	۵۷۱
ھل یقع الترادف اللغوی فی القرآن الکریم	محمد اکرم شودری		المکتبۃ الفیصلیۃ، مکۃ المکرمۃ، سنہ ۱۴۰۵ھ	۱۱۲
الیاءات المشددات فی القرآن وکلام العرب	مکی بن ابی طالب	ت ح: احمد حسن فرحات	المکتبۃ الدولیۃ، ریاض؛ موسسۃ ومکتبۃ الخافقین، دمشق، سنہ ۱۴۰۲ھ	۷۲

۵- علم تفسیر، مناہج تفسیر و کتب تفسیر:

کتاب	مصنف/مؤلف	تحقیق، تدوین (ت)/تعلیق و حواشی (ح)	تفصیلات اشاعت	جلد/صفحات
اتجاهات التفسیر فی القرن الرابع عشر	فہد بن عبدالرحمن الرومی		ف ـ ع ـ الرومی، ریاض، ۱۴۰۷ھ	۲ جلدیں
اضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن	محمد امین بن محمد المختار الشنقیطی		دارالافتاء، ریاض، ۱۴۰۳ھ	۱۰ جلدیں
الامام الشوکانی مفسرا	محمد حسن بن احمد الغماری		دارالشروق، جدہ، ۱۴۰۱ھ	۳۵۷
الامام الطبری: بحث فی التفسیر	عبداللہ بن عبدالعزیز المصلح آل شاکر		کلیۃ الشریعۃ، جامعۃ الامام ابن سعود الاسلامیہ، ریاض ۱۴۰۰ھ	۸۰
الانوار الساطعات لآیات جامعات	عبدالعزیز بن محمد السلمان		مطابع الاشعاع، ریاض، ۱۴۰۲ھ (طبع دوم)	۲ جلدیں
ایسر التفاسیر لکلام العلی الکبیر	ابوبکر جابر الجزائری		راسم للدعایۃ والاعلان، جدہ، ۱۴۰۷ھ، (طبع دوم)	۳ جلدیں
تأملات فی سورۃ الاحزاب	حسن محمد باجودۃ		نادی مکۃ الثقافی، مکۃ المکرمہ، ۱۴۰۳ھ (طبع اول)	۵۹۴
التحبیر فی علم التفسیر	امام سیوطی	ت: فتحی عبدالقادر فرید	دارالعلوم، ریاض، ۱۴۰۲ھ	۵۱۸
التحذیر من مختصرات محمد الصابونی فی التفسیر	بکر بن عبداللہ ابوزید		دارالرایۃ، ریاض، ۱۴۰۹ھ	۷۳
تفسیر آیۃ الکرسی وما بعدہا الی آخر سورۃ البقرۃ	خلیل عید الغزالی		المکتب الاسلامی، بیروت، مکتبۃ الحرمین، ریاض، ۱۴۰۲ھ	۱۸۸
تفسیر ابن عباس ومرویاتہ فی التفسیر من کتب السنۃ	عبدالعزیز بن عبداللہ الحمیدی		مرکز البحث العلمی واحیاء التراث الاسلامی، جامعۃ ام القری، مکۃ المکرمہ ۱۴۰۰ھ	۲ جلدیں ۱۰۷۰
تفسیر ابن کثیر			دارالفکر، بیروت، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، ریاض، ۱۴۰۷ھ	۴ جلدیں

کتاب	مصنف/مؤلف	تحقیق وتدوین/تعلیق وحواشی	تفصیلات اشاعت	جلد/صفحات
		(ت) (ح)		
تفسیر ابن مسعود	محمد احمد عیسوی		موسسۃ الملک فیصل الخیریۃ ریاض سنہ ۱۴۱۲ھ	۱۱۱۸
التفسیر بالماثور ومناہج المفسرین فیہ	محمد ابو النور الحدیدی		المرکز العالمی للتعلیم الاسلامی، جامعۃ ام القری مکۃ المکرمۃ، سنہ ۱۴۰۳ھ	۱۰۳
تفسیر الجلالین	جلال الدین المحلی و جلال الدین السیوطی		مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، ریاض سنہ ۱۴۰۰ھ	۵۲۷
تفسیر سفیان بن عیینہ		ت: احمد صالح محایری	المکتب الاسلامی بیروت، دمشق؛ مکتبۃ اسامہ، ریاض سنہ ۱۴۰۳ھ	۴۳۸
تفسیر سورۃ الاحزاب	خلیل عید الغزالی		موسسۃ العالمیۃ للطباعۃ والنشر، ریاض، سنہ ۱۴۰۲ھ	۱۸۱
تفسیر سورۃ الانفال	خلیل عید الغزالی		مکتبۃ المعارف، ریاض، سنہ ۱۴۰۲ھ	۱۵۶
تفسیر سورۃ الرعد	خلیل عید الغزالی		مکتبۃ المعارف، ریاض سنہ ۱۴۰۳ھ	۱۲۵
تفسیر سورۃ الرعد: مباحث تحلیلیہ لغویہ حول المفردات والتراکیب	محمد صالح مصطفیٰ		دار النفائس، ریاض، سنہ ۱۴۰۸ھ	۳۷۳
تفسیر سورۃ الزمر	خلیل عید الغزالی		مکتبۃ المعارف، ریاض، سنہ ۱۴۰۳ھ	۱۹۲
تفسیر سورۃ الفاتحہ	محمد بن عبد الوہاب	ت، ح: محمد بن عبد الرحمن	ریاض، سنہ ۱۴۰۳ھ	
تفسیر سورۃ فصلت: مباحث تحلیلیہ حول المفردات والتراکیب	محمد صالح علی مصطفیٰ		دار النفائس، ریاض سنہ ۱۴۰۹ھ	۳۹۴
تفسیر سورۃ النور	ابو الاعلیٰ مودودی		الدار السعودیۃ للنشر، جدہ سنہ ۱۴۰۴ھ (طبع دوم) سنہ ۱۴۰۵ھ (طبع سوم)	۲۴۵
تفسیر سورۃ الواقعہ: صور من الاعجاز البیانی واحکام المعانی	محمد ابو شہبۃ		عالم المعرفۃ، جدہ، سنہ ۱۴۰۳ھ	۱۰۹
تفسیر سورہ یٰس	خلیل عید الغزالی		مکتبۃ المعارف، ریاض، سنہ ۱۴۰۳ھ	۱۰۷

کتاب	مصنف / مؤلف	تحقیق، تدوین / تعلیق و حواشی	تفصیلات اشاعت	جلد / صفحات
تفسیر القرآن العظیم	عماد الدین اسماعیل بن کثیر	مقدمہ: یوسف عبد الرحمن المرعشلی	دار المعرفۃ، بیروت (التوزیع: مکتبۃ المعارف، ریاض) ۱۴۰۲ھ	۴ جلدیں
تفسیر القرآن العظیم مسندا عن الرسول صلی اللہ علیہ وسلم والصحابۃ والتابعین	عبد الرحمن بن ابی حاتم الرازی	ت: احمد عبد اللہ العماری	مکتبۃ الدار، مدینہ منورہ، دار طیبہ ریاض ۱۴۰۸ھ	
التفسیر الکبیر	احمد بن عبد الحلیم بن تیمیہ	ت، ح: عبد الرحمن عمیرہ	دار الکتب العلمیہ بیروت (التوزیع) دار الباز، مکۃ المکرمۃ ۱۴۰۸ھ	۷ جلدیں
تفسیر المعوذتین	احمد بن عبد الحلیم بن تیمیہ	ت: عبد الحمید شانوحہ	دار المطبوعات الحدیثۃ، جدہ ۱۴۰۷ھ	۵۹
تفسیر المعوذتین	ابن قیم الجوزیہ	ت، ح: مصطفی العلوی شلباب	مکتبۃ الصدیق، طائف ۱۴۰۸ھ	۱۴۹
تنبیہات ھامۃ علی کتاب صفوۃ التفاسیر لمحمد علی الصابونی	محمد بن جمیل زینو، صالح الفوزان		مکتبۃ دار البخاری، بریدہ ۱۴۰۸ھ	۶۳
تیسیر العلی القدیر لاختصار تفسیر ابن کثیر	محمد نسیب الرفاعی		مکتبۃ المعارف، ریاض ۱۴۰۷ھ (طبع جدید)	۴ جلدیں
تیسیر اللطیف المنان فی خلاصۃ تفسیر القرآن	عبد الرحمن بن ناصر السعدی		مکتبۃ المعارف، ریاض ۱۴۰۲ھ	۲۰۳
الجامع لاحکام القرآن	محمد بن احمد القرطبی		مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، ریاض ۱۴۰۳ھ (طبع دوم)	۲۰ جلدیں
جزء فی تفسیر الباقیات الصالحات	ابو سعید خلیل	ت: بدر الزمان محمد شفیع	مکتبۃ الایمان، مدینہ منورہ ۱۴۰۷ھ	۶۴
دراسات فی التفسیر الموضوعی للقرآن الکریم	زاھر عواض الالمعی		زح ـ الالمعی، ریاض ۱۴۰۶ھ	۳۸۱
دقائق التفسیر الجامع لتفسیر ابن تیمیہ	محمد سید الجلیند		دار القبلۃ، جدہ، مؤسسۃ علوم القرآن، بیروت ۱۴۰۶ھ (طبع سوم)	۶ جلدیں
الرد علی من یقول الم حرف لینفی الالف واللام والمیم عن کلام اللہ عز وجل	عبد الرحمن ابن احمد الاصبھانی	ت: عبد اللہ بن یوسف الجدیع	دار العاصمۃ، ریاض ۱۴۰۹ھ	۱۲۰

کتاب	مصنف / مؤلف	تحقیق و تدوین / تعلیق و حواشی	تفصیلات اشاعت	جلد / صفحات
		(ت) (ح)		
السؤال والجواب فی آیات الکتاب	عطیہ محمد سالم		مکتبہ دار التراث، مدینہ منورہ ۱۴۰۴ھ	۴۱۵
سورۃ الاسراء والاصداف التی ترمی الیہا	السید محمد علی النمر		دار المطبوعات الحدیثہ، جدہ ۱۴۰۸ھ	۴۰۲
سورۃ الانفطار (تفسیر)	جمال الدین عیاد		شرکۃ مکتبات عکاظ، جدہ ۱۴۰۱ھ	۴۶
سورۃ التین (تفسیر القرآن)	جمال الدین عیاد		شرکۃ مکتبات عکاظ، جدہ ۱۴۰۱ھ	۴۰
سورۃ المطففین (تفسیر القرآن)	جمال الدین عیاد		شرکۃ مکتبات عکاظ، جدہ ۱۴۰۱ھ	۷۷
صفات عباد الرحمٰن فی القرآن دراسۃ فی طریق التفسیر الموضوعی	عبد الرحمٰن حسن المیدانی		مکتبۃ الطالب الجامعی، مکۃ المکرمہ ۱۴۰۸ھ	۸۹
صفوۃ التفاسیر	محمد علی الصابونی		دار الفکر، بیروت، دار القبلہ، جدہ ۱۴۰۱ھ	۳ جلدیں
الطبری ومنہجہ فی التفسیر	محمد بن الشریف		شرکۃ مکتبات عکاظ، جدہ ۱۴۰۳ھ	۱۱۱
ظاہرۃ التاویل وصلتہا باللغۃ	السید احمد عبد الغفار		دار الرشید، ریاض، ۱۴۰۱ھ	۲۰۸
غرائب التفسیر وعجائب التاویل	محمود بن حمزۃ الکرمانی	ت: شمران سرکال یونس	دار القبلہ، جدہ، موسسۃ علوم القرآن، بیروت، ۱۴۰۸ھ	۲ جلدیں
فاتحۃ القرآن وجزء عم الخاتم للقرآن: تفسیر للبیان	محمد محمود الصواف		دار المنارہ، جدہ ۱۴۰۷ھ (طبع دوم)	۶۱۳
فتح الرحمٰن فی تفسیر سورتی الفاتحۃ ولقمان	علی حسن العریض		دار الاصلاح، الدمام، ۱۴۰۱ھ	۱۲۰
فتح القدیر الجامع بین فنی الروایۃ والدرایۃ من علم التفسیر	محمد بن علی الشوکانی		دار المعرفہ، بیروت (توزیع: مکتبۃ المعارف، ریاض) ۱۴۰۰ھ	۵ جلدیں
			دار الفکر، بیروت، مکتبۃ الریاض الحدیثہ، ریاض، ۱۴۰۳ھ (طبع دوم)	۵ جلدیں
فی ظلال القرآن	سید قطب		دار العلم، جدہ ۱۴۰۶ھ (طبع ۱۲)	۶ جلدیں ۴۰۱۲

کتاب	مصنف / مؤلف	تحقیق وتعیین / تعلیق وحواشی	تفصیلات اشاعت	جلد / صفحات
فی ظلال القرآن فی المیزان	صلاح عبدالفتاح الخالدی	ت) (ح)	دارالمنارہ، جدہ، ۱۴۰۶ھ	۴۲۴
قانون التاویل	محمد بن عبداللہ بن العربی	ت: محمد سلیمانی	دارالقبلہ، جدہ، موسسۃ علوم القرآن، بیروت، ۱۴۰۶ھ	۴۸۶
القواعد الحسان لتفسیر القرآن	عبدالرحمن بن ناصر السعدی		مکتبۃ المعارف، ریاض، ۱۴۰۰ھ، ۱۴۰۲ھ (طبع دوم)	۲۰۸
مبادی اساسیۃ لفہم القرآن	ابوالاعلی المودودی ترجمہ: خلیل احمد الحامدی		الدار السعودیہ للنشر، جدہ، ۱۴۰۶ء	۵۶
المجموعۃ الکاملۃ لمولفات الشیخ عبدالرحمن بن ناصر السعدی		ت: محمد زهری النجار	مرکز صالح بن صالح الثقافی، عنیزہ ۱۴۰۸ھ	۸ جلدیں
مختصر تفسیر ابن کثیر	محمد علی الصابونی		دارالقلم، بیروت، مکتبۃ جدہ، ۱۴۰۶ھ	۳ جلدیں
مدخل الی ظلال القرآن	صلاح عبدالفتاح الخالدی		دارالمنارہ، جدہ، ۱۴۰۶ھ	۳۴۳
مصاعد النظر للاشراف علی مقاصد السور	برہان الدین ابراہیم بن عمر البقاعی	ت، ح: عبدالسمیع محمد احمد الحسنین	مکتبۃ المعارف، ریاض، ۱۴۰۸ھ	۳ جلدیں
معارج الصعود الی تفسیر ھود	محمد امین بن محمد المختار		دارالمجتمع، جدہ، ۱۴۰۸ھ	۳۱۴
معانی القرآن الکریم	احمد بن محمد النحاس	ت: محمد علی الصابونی	معہد البحوث الاسلامیہ واحیاء تراث الاسلامی، مکۃ المکرمہ، ۱۴۰۸ھ	۶ جلدیں
من ھدی سورۃ آل عمران	حنان لحام		دارالھدی، ریاض، ۱۴۰۹ھ	۲۶۲
من ھدی سورۃ الانفال	محمد امین المصری		مکتبۃ الارقم، الکویت (توزیع: دارالافتاء ریاض) ۱۴۰۰ھ	۲۸۱
من ھدی سورۃ البقرۃ	حنان لحام		دارالھدی، ریاض، ۱۴۰۹ھ	۶۳۲
من ھدی سورۃ لقمان	حنان لحام	مقدمہ: جودت سعید	دارالھدی، ریاض، ۱۴۰۷ھ	۱۵۹
من ھدی سورۃ النساء	حنان لحام		دارالھدی، ریاض، ۱۴۰۹ھ	۴۶۴
منار السبیل فی الاضواء علی التنزیل	محمد بن عثمان القاضی		م سئـ القاضی، عنیزہ، ۱۴۰۰ھ	۴ جلدیں

کتاب	مصنف/مؤلف	تحقیق، تدوین/تعلیق وغیرہ	تفصیلات اشاعت	جلد/صفحات
مناہج المفسرین من العصر الاول الی العصر الحدیث: التفسیر بالمأثور	السید علی محمد النقراشی		مکتبۃ النہضۃ، بریدہ، ١٤٠٦ھ	٢١٩
الورد الزلال فی التنبیہ علی اخطاء تفسیر الظلال	عبداللہ بن محمد الدویش		دار العلیان، بریدہ، ١٤٠٧ھ	٣٢٥
نزھۃ فی کتاب بصائر ذوی التمییز فی لطائف الکتاب العزیز	سعید بن عبدالرحمن الاحمری		مکتبۃ المعارف، ریاض، ١٤٠٥ھ	١٠٤
نور السری فی تفسیر آیۃ الاسراء	ابوشامہ المقدسی	ت: علی حسین البواب	مکتبۃ المعارف، ریاض، ١٤٠٦ھ	١٦٢
الوجیز فی تفسیر القرآن العزیز	علی بن احمد الواحدی	ت: علی شواخ الشعبی	مرکز الملک فیصل للبحوث والدراسات الاسلامیۃ، ریاض، ١٤٠٩ھ	٢ جلدیں ١٢٠٠
الوحدۃ الموضوعیۃ فی سورۃ یوسف علیہ السلام	حسن محمد باجودۃ		تہامۃ للنشر، جدہ، ١٤٠٣ھ (طبع دوم)	٥٦٢

٦- علم قراءات وتجوید:

کتاب	مصنف/مؤلف	تحقیق، تدوین/تعلیق وغیرہ	تفصیلات اشاعت	جلد/صفحات
الابانۃ عن معانی القراءات	مکی بن ابی طالب القیسی	ت، ر ح: عبدالفتاح اسماعیل شلبی	المکتبۃ الفیصلیۃ، مکۃ المکرمۃ، ١٤٠٥ھ	١٧٣
الاحرف السبعۃ للقرآن	ابوعمرو الدانی	ت: عبدالمہیمن طحان	مکتبۃ المنارہ، مکۃ المکرمہ، ١٤٠٨ھ	٨٠
اختصار القول فی الوقف علی کلا وبلی ونعم	مکی بن ابی طالب	ت، ر ح: احمد حسن فرحات	المکتبۃ الدولیۃ، ریاض، مؤسسۃ ومکتبۃ الخافقین، دمشق، ١٤٠٢ھ	٣٧
ارشاد المبتدی وتذکرۃ المنتہی فی القراءات العشر	محمد بن الحسین الواسطی	ت: عمر حمدان الکبیسی	المکتبۃ الفیصلیۃ، مکۃ المکرمہ، ١٤٠٤ھ	٦٩١
الاقناع فی القراءات السبع	احمد بن علی الانصاری	ت: عبدالمجید	مرکز البحث العلمی واحیاء التراث الاسلامی جامعہ ام القری، مکۃ المکرمہ، ١٤٠٣ھ	٢ جلدیں ٩٥٨
الاحالۃ فی القراءات واللہجات العربیۃ	عبدالفتاح اسماعیل شلبی		دار الشروق، جدہ، ١٤٠٣ھ (طبع سوم)	

کتاب	مصنف/مؤلف	تحقیق وتعدیل/تعلیق وحواشی	تفصیلات اشاعت	جلد/صفحات
الامام ابو عمرو الدانی وکتابہ جامع البیان فی القراءات السبع	عبدالمھیمن طحان	ت، (ح)	مکتبۃ المنارہ، مکۃ المکرمہ، ۱۴۰۸ھ	۱۱۴
اتحافات متون علوم التجوید			دار طیبۃ، ریاض، ۱۴۰۰ھ	۲۴
البدور الزاھرۃ فی القراءات العشر المتواترۃ من طریقی الشاطبیۃ والدرۃ	عبدالفتاح بن عبدالغنی		مکتبۃ الدار، مدینہ منورہ، ۱۴۰۴ھ	۳۵۸
التجوید المیسر	عبدالعزیز بن عبدالفتاح القاری		مدینہ منورہ، ۱۴۰۷ھ	۱۴۲
تحفۃ الاقران فیما قری بالتثلیث من حروف القرآن	احمد بن یوسف الرعینی	ت: علی حسین البواب	دار المنارہ، جدہ، ۱۴۰۷ھ	۲۴۸
تلخیص العبارات بلطیف الاشارات فی القراءات السبع	ابو علی حسن بن خلف	ت: سبیع حمزہ	دار القبلہ، جدہ، موسسۃ علوم القرآن، بیروت، ۱۴۰۹ھ	۱۸۱
التمھید فی علم التجوید	محمد بن محمد الجزری	ت: علی حسین البواب	مکتبۃ المعارف، ریاض، ۱۴۰۵ھ	۲۴۷
تیسیر التجوید	ابو فراخ محمد احمد		دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۰۲ھ (طبع دوم)	۹۰
ثلاثۃ اعوام مع مسابقۃ حفظ القرآن الکریم بالمدینۃ المنورہ	خلیل اللہ الحیدری و محمد وصیۃ الجبالی		نادی المدینۃ المنورۃ الادبی، مدینہ منورہ، ۱۴۰۰ھ	۶۲
جمال القراء وکمال الاقراء	علم الدین السخاوی	ت: علی حسین البواب	مکتبۃ التراث، مکۃ المکرمہ، ۱۴۰۸ھ	۲ جلدیں ۶۴۰
رسالۃ التلاوۃ او تلاوۃ القرآن الکریم	محمد محمود الحسینی		دار الاصالۃ، ریاض، ۱۴۰۷ھ	۸۴
رسم المصحف العثمانی واوھام المستشرقین فی قراءات القرآن الکریم: دوافعھا ودفعھا	عبدالفتاح اسماعیل شلبی		دار الشروق، جدہ، ۱۴۰۳ھ (طبع دوم)	۱۵۱
سراج القاری المبتدی وتذکار المقری المنتھی: شرح منظومۃ حرز الامانی ووجہ التھانی لابی محمد بن فیرہ الشاطبی	ابو القاسم علی بن عثمان		مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، ریاض، ۱۴۰۱ھ	۴۳۰

کتاب	مصنف/مؤلف	تحقیق و تدوین/تعلیق و حواشی	تفصیلات اشاعت	جلد/صفحات
فی علوم القراءات: مدخل و دراسة و تحقیق	السید رزق الطویل		المکتبة الفیصلیة، مکة المکرمہ ۱۴۰۵ھ	۳۲۰
القراءات: احکامھا و مصادرھا	شعبان محمد اسماعیل		رابطة العالم الاسلامی، مکة المکرمہ ۱۴۰۶ھ	۱۷۶
القراءات فی نظر المستشرقین والملحدین	عبدالفتاح عبدالغنی		مکتبة الدار، مدینہ منورہ ۱۴۰۲ھ	۲۰۰
قواعد التجوید علی روایة حفص عن عاصم بن ابی النجود	عبدالعزیز بن عبدالفتاح		مکتبة الدار، مدینہ منورہ ۱۴۰۳ھ	۱۱۰
قواعد الترتیل المیسرة	فتحی الخولی		مکتبة التربیة العربی لدول الخلیج، ریاض ۱۴۰۷ھ	۳۰
القول السدید فی احکام التجوید	احمد حجازی الفقیہ		مکتبہ و مطبعة النھضة الحدیثة، مکة المکرمہ ۱۴۰۶ھ (طبع سوم)	۶۳
کیف تحفظ القرآن الکریم	عبدالرب نواب الدین		مکتبة ابن قیم، مدینہ منورہ ۱۴۰۹ھ	۱۱۰
کیف ندرس القرآن لابنائنا	سراج محمد وزان		رابطة العالم الاسلامی، مکة المکرمہ ۱۴۰۸ھ	۲۰۳
کیف نتلقی القرآن: آداب التلاوة و احکام التجوید	عامر بن السید عثمان		دار ابن کثیر، دمشق، بیروت؛ مکتبة دار التراث، مدینہ منورہ ۱۴۰۳ھ، ۱۴۰۸ھ (طبع دوم)	۹۹
المبسوط فی القراءات العشر	احمد بن الحسین الاصبہانی	ت: سبیع حمزہ حاکمی	دار القبلة، جدہ؛ موسسة علوم القرآن، بیروت ۱۴۰۸ھ	۵۱۴
مسابقات القرآن الکریم الدولیہ ۱۳۹۹ھ — ۱۴۰۲ھ	(الامانة العامة لمسابقة القرآن الکریم الدولیہ)		وزارة الحج والاوقاف، مکة المکرمہ ۱۴۰۳ھ	
معلم التجوید: مع تحفة الاطفال و العلمان فی تجوید القرآن	سلیمان الجزوری	ح: محمد ابراہیم سلیم	مکتبة الساعی، ریاض ۱۴۰۶ھ	۱۵۹
المعلومات والشروط الخاصة بالاحتفال السنوی السابع لتلاوة القرآن و تجویدہ و تفسیرہ ۱۴۰۶ھ	الامانة العامہ لمسابقة القرآن الکریم الدولیہ		وزارة الحج والاوقاف، مکة المکرمہ ۱۴۰۶ھ	
النشر فی القراءات العشر	ابن محمد الجزری	تصحیح و مراجعت: علی محمد الضباع	مکتبة الریاض الحدیثة، ریاض ۱۴۰۰ھ	۲ جلدیں

کتاب	مصنف/مؤلف	تحقیق وتدوین/تعلیق وتخریج	تفصیلات اشاعت	جلد/صفحات
نظام الاداء فی الوقف والابتداء	ابو الاصبغ ابن الطحان	ت: علی حسین البواب	مکتبۃ المعارف، ریاض، ۱۴۰۶ھ	۶۳
الوافی فی شرح الشاطبیۃ فی القراءات السبع۔	عبد الفتاح عبد الغنی القاضی		مکتبۃ الدار، مدینہ منورہ، ۱۴۰۴ھ	۴۰۰

، قصص القرآن الکریم :

کتاب	مصنف/مؤلف	تحقیق وتدوین/تعلیق وتخریج	تفصیلات اشاعت	جلد/صفحات
ابراہیم علیہ السلام ودعوتہ فی القرآن الکریم	احمد البراء الامیری		دار المنارۃ، جدہ، ۱۴۰۶ھ	۲۳۲
اخطاء یجب ان تصحح فی التاریخ ذریۃ ابراہیم علیہ السلام والبیت الحرام	جمال عبد الہادی محمد مسعود، وفاء محمد رفعت جمعۃ		دار طیبہ، ریاض، ۱۴۰۶ھ	۴۳۲
اخطاء یجب ان تصحح فی التاریخ عن ابراہیم علیہ السلام وذریتہ وتاریخ البیت العتیق ومکۃ المکرمۃ وحرم اللہ الآمن	جمال عبد الہادی محمد مسعود، وفاء محمد رفعت جمعۃ		دار طیبہ، ریاض، ۱۴۰۶ھ	۴۳۴
استخلاف آدم علیہ السلام	علی محمد نصر		رابطۃ العالم الاسلامی، مکۃ المکرمۃ، ۱۴۰۲ھ	
الامثال فی القرآن الکریم	منصور بن عون العبدلی		عالم المعرفۃ للنشر، جدہ، ۱۴۰۶ھ	۳۶۰
امثال القرآن	ابن القیم الجوزیہ	ت: ناصر بن سعد الرشید	دار مکۃ، مکۃ المکرمۃ، ۱۴۰۰ھ	۶۴
الانبیاء فی القرآن	سعد صادق محمد		دار اللواء، ریاض، ۱۴۰۲ھ	۳۰۶
التبیان فی آداب حملۃ القرآن	یحیی بن شرف النووی		مؤسسۃ علوم القرآن، دمشق، دار التراث، مدینہ منورہ، ۱۴۰۳ھ	۱۱۱
حول خصائص القرآن	محمد بن علوی المالکی		مطابع سحر، جدہ، ۱۴۰۱ھ	۱۲۹
خصائص السور والآیات المدنیۃ: ضوابطها ومقاصدها	عادل محمد صالح		دار القبلۃ، جدہ، مؤسسۃ علوم القرآن بیروت، ۱۴۰۶ھ	۵۱۶
خصائص القرآن الکریم	فہد بن عبد الرحمن الرومی		مکتبۃ الحرمین، ریاض، ۱۴۰۹ھ	۲۵۲
الخضر وآثاره بین الحقیقۃ والخرافۃ	احمد بن عبد العزیز الحصین		مکتبۃ البخاری، بریدہ، ۱۴۰۷ھ	۵۸

کتاب	مصنف / مؤلف	تحقیق و تدوین / تعلیق و تحشیہ	تفصیلات اشاعت	تعداد صفحات
رجال انزل الله فيهم قرآنا	عبدالرحمن عميرة		دار اللواء، رياض، ۱۴۰۳ھ (طبع دوم)	۲ جلدیں
فضائل القرآن	ابن كثير	ت: محمد ابراهيم البنا	دار القبلة، جده، موسسة علوم القرآن، بيروت، ۱۴۰۸ھ	۱۹۰
فضائل القرآن الكريم	عبدالله بن جار الله		توزيع: موسسة الجريسي للتوزيع والاعلان ۱۴۰۳ھ	۷۲
فضائل القرآن وما جاء فيه من الفضل وفي كم يقرأ والسنة في ذالك	جعفر بن محمد الفريابي	ت: يوسف عثمان فضل الله جبريل	مكتبة الرشد، رياض، ۱۴۰۹ھ	۳۱۱
قصص الانبياء	ابن كثير		مكتبة الرياض الحديثة، رياض، دار الفكر، بيروت، ۱۴۰۳ھ	۷۴۴
القصص القرآني من العالم المنظور وغير المنظور	عبدالكريم الخطيب		موسسة الاصالة، رياض، ۱۴۰۴ھ	۱۸۵
مختارات من فضائل القرآن لابن كثير		مقدمہ و اہتمام طباعت امام احمد حمدی	دار المدنی، جده، ۱۴۰۱ھ	۸۳
معالم الدعوة في قصص القرآن الكريم	عبدالوهاب الديلمي		دار المجتمع، جده، ۱۴۰۶ھ	۲ جلدیں ۱۲۲۱
مفاهيم جغرافية في القصص القرآني قصة ذي القرنين	عبدالعليم عبدالرحمن خضر		۱۴۰۱ھ	۲۱۳
منهج القصة في القرآن	محمد شديد		شركة مكتبات عكاظ، جده، ۱۴۰۴ھ	۱۲۱
موسوعة فضائل سور وآيات القرآن	محمد بن رزق		دار ابن قيم، دمام، ۱۴۰۹ھ	۲۷۷
نساء انزل الله فيهن قرآنا	عبدالرحمن عميره		دار اللواء، رياض، ۱۴۰۳ھ (طبع سوم)	۲۴۴
نظرات في قصص القرآن	محمد قطب عبدالعال		رابطة العالم الاسلامي، مكة المكرمة ۱۴۰۳ھ	۲ جلدیں
يوسف عليه السلام	عبداللطيف علي وصبة		دار اللواء، رياض، ۱۴۰۲ھ	۱۸۰

کتاب	مصنف/مؤلف	تحقیق وتدوین/تعلیق وحواشی	تفصیلات اشاعت	جلد/صفحات
یوسف علیہ السلام بین کرالاخوۃ وکید النسوۃ: دراسۃ یجیب فیہا الامام الفخر الرازی عن ۵۰ سوالا	الفخر الرازی	ت ، ح: محمد علی	مکتبۃ الساعی، ریاض، ۱۴۰۲ھ	۹۶
یوسف علیہ السلام وامرأۃ العزیز	محمد علی قطب		مکتبۃ الساعی، ریاض، ۱۴۰۳ھ	۱۰۴

۸۔ اعجاز القرآن الکریم:

کتاب	مصنف/مؤلف	تحقیق وتدوین/تعلیق وحواشی	تفصیلات اشاعت	جلد/صفحات
الادویہ والقرآن الکریم	محمد محمد ہاشم		الدار السعودیہ للنشر، جدہ، ۱۴۰۷ھ	۱۴۲
الاطعمۃ القرآنیۃ غذاء ودواء	محمد کمال عبدالعزیز		مکتبۃ الساعی، ریاض، ۱۴۰۸ھ	۱۴۲
الاعجاز الطبی فی القرآن والتعاشیب النبویہ: الرطب والنخلہ	عبداللہ عبدالرزاق السعید		الدار السعودیہ للنشر، جدہ، ۱۴۰۵ھ (طبع اول) ۱۴۰۸ھ (طبع دوم)	۳۴۶
اعجاز القرآن	محمد بن الطیب الباقلانی	ت: عماد الدین احمد حیدر	مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، بیروت مکتبۃ العلوم والحکم، مدینہ منورہ ۱۴۰۶ھ	۳۲۸
اعجاز القرآن فی حواس الانسان: دراسۃ فی الانف والاذن والحنجرۃ فی ضوء الطب وعلوم القرآن والحدیث	محمد کمال عبدالعزیز		مکتبۃ الساعی، ریاض، مکتبۃ القرآن، قاہرہ، ۱۴۰۷ھ	۸۸
الاعجاز والقراءات	فتحی عبدالقادر فرید		دار العلوم، ریاض، ۱۴۰۲ھ	۶۹
التوریہ وخلو القرآن منہا	محمد جابر فیاض		دار المنارہ، جدہ، ۱۴۰۸ھ	۹۱
الجمان فی تشبیہات القرآن	عبداللہ بن حسین	تحقیق ومراجعت: محمود حسن الشیبانی	تنفیذ مرکز الصف الالکترونی براج وخطیب جدہ، ۱۴۰۷ھ	۴۱۲
خلق الانسان بین الطب والقرآن	محمد علی البار		الدار السعودیہ للنشر، جدہ، ۱۴۰۰ھ	۲۴۷
الدار القرار فی البیان القرآنی: دراسۃ موضوعیہ	حامد صادق قبنی		دار الاصلاح، دمام، ۱۴۰۳ھ	۱۲۹

کتاب	مصنف/مؤلف	تحقیق و تدوین/تعلیق و حواشی (ت) (ح)	تفصیلات اشاعت	تعداد صفحات
الطب فی القرآن	عبداللہ عبادہ		مکتبۃ الخانجی، قاہرہ، دار الرفاعی، ریاض، ۱۴۰۲ھ	۱۲۶
الطبیعیات والاعجاز العلمی للقرآن الکریم	عبدالعلیم عبدالرحمن خضر		الدار السعودیہ للنشر، جدہ، ۱۴۰۶ھ	۴۸۸
عسل النحل بشفاء نزل بالوحی	عبدالکریم نجیب الخطیب		الدار السعودیہ للنشر، جدہ، ۱۴۰۷ھ	۲۲۴
فنون البلاغۃ بین القرآن و کلام العرب	فتحی عبدالقادر فرید		دار اللواء، ریاض، ۱۴۰۱ھ	۹۱
فی اعجاز القرآن الکریم	محمد برکات حمدی		المکتبۃ الدولیہ، ریاض، موسسۃ الخافقین و مکتبتہا، دمشق، ۱۴۰۳ھ	۱۸۳
القرآن: ینابیع الوحی الالٰہی۔ البنیۃ الایقاعیۃ فی السور المکیہ	پیر کراپون دی کابرنا	عرض: لبیب السعید	جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ، ریاض، ۱۴۰۰ھ	۴۲
الماء والحیاۃ بین العلم والقرآن	عبدالعلیم عبدالرحمن خضر		الدار السعودیہ للنشر، جدہ، ۱۴۰۵ھ	۲۴۷
مباحث فی اعجاز القرآن	مصطفیٰ مسلم		دار المنارہ، جدہ، ۱۴۰۸ھ	۲۹۵
معجزات قلب القرآن	ہاشم محمد سعید دفتردار		دار الشروق، جدہ، ۱۴۰۱ھ (طبع دوم) ۱۴۰۳ھ (طبع سوم)	۴۲۴
المعجزۃ الخالدۃ: عظمۃ معجزات القرآن	حسن ضیاء الدین عتر		مکتبۃ الرشد، ریاض، دار ابن حزم بیروت، ۱۴۰۹ھ	۴۳۲
المعجزۃ والاعجاز فی سورۃ النمل	عبدالحمید محمود طہماز		دار القلم، دمشق، دار المنارہ، جدہ، ۱۴۰۶ھ	۱۱۰
من اسرار التعبیر فی القرآن: صفاء الکلمۃ	عبدالفتاح لاشین		دار المریخ، ریاض، ۱۴۰۳ھ	۲۴۵
من اسرار التعبیر فی القرآن: الفاصلۃ القرآنیۃ	عبدالفتاح لاشین		دار المریخ، ریاض، ۱۴۰۲ھ	۱۹۳
المنہج الایمانی للدراسات الکونیۃ فی القرآن الکریم	عبدالعلیم عبدالرحمن خضر		الدار السعودیہ للنشر، جدہ، ۱۴۰۶ھ	۵۲۶

کتاب	مصنف/ مؤلف	تحقیق وتخریج/ تعلیق وحواشی (ت) (ح)	تفصیلات اشاعت	جلد/ صفحات
نظریۃ التصویر الفنی عند سید قطب	صلاح عبد الفتاح الخالدی		دار المنارہ، جدہ، ۱۴۰۹ھ	۴۲۹
النظم القرآنی فی سورۃ الرعد	محمد بن سعد الدبل		دار العالم الکتب، ریاض، ۱۴۰۸ھ	۲۲۳
بحوث من القرآن الکریم بخصائص اللغۃ العربیۃ التعبیریۃ	حسن محمد باجودہ		نادی مکۃ الثقافی، ریاض، ۱۴۰۱ھ	۹۲
هندسۃ النظام الکونی فی القرآن الکریم	عبد العلیم عبد الرحمن خضر		تہامۃ للنشر، جدہ، ۱۴۰۳ھ	۲۵۹
الوجیز فی علم الاجنۃ القرآنی	محمد علی البار		الدار السعودیۃ للنشر، جدہ، ۱۴۰۷ھ (طبع دوم)	۸۸
وفی انفسکم افلا تبصرون	انس بن عبد الحمید		دار الهدی، ریاض، ۱۴۰۹ھ	۲۲۰
وفی انفسکم افلا تبصرون: هذا خلق اللہ	عبد العلیم کامل		دار المریخ، ریاض، ۱۴۰۴ھ	۲۰۳

۹-مختلف قرآنی مباحث:

کتاب	مصنف/ مؤلف	تحقیق وتخریج/ تعلیق وحواشی	تفصیلات اشاعت	جلد/ صفحات
اختصاص القرآن بعودہ الی الرحیم الرحمن	محمد بن عبد الواحد المقدسی	ت: عبد اللہ بن یوسف الجدیع	مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۰۹ھ	۴۸
الادیان فی القرآن	محمود بن الشریف		شرکۃ مکتبات عکاظ، ریاض، ۱۴۰۴ھ	۳۰۱
استخراج الجدل من القرآن الکریم	ابن الحنبلی	ت: زاهر بن عواض الالمعی	مطابع الفرزدق، ریاض، ۱۴۰۱ھ	۱۶۰
اصل الاجناس البشریۃ بین العلم والقرآن الکریم	عبد العلیم عبد الرحمن خضر		تہامۃ للنشر، جدہ، ۱۴۰۷ھ	۲۰۴
اصول الاعلام الاسلامی واسسہ: دراسۃ تحلیلیۃ لنصوص الاخبار فی سورۃ الانعام	سید محمد ساداتی		دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۰۶ھ	۲ جلدیں ۳۰۲
الاصول التطبیقیۃ للاعلام الاسلامی: دراسۃ تحلیلیۃ لنصوص من سورۃ الانعام	سید محمد ساداتی		دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۰۶ھ	۱۰۱

کتاب	مصنف / مؤلف	تحقیق، تخریج/تعلیق	تفصیلات اشاعت	جلد/صفحات
الامن فی القرآن	یحیی عبداللہ المعلمی	(ت) (ت)	دار المعلمی، ریاض، ۱۴۰۳ھ	
الامۃ الاسلامیۃ کما یریدھا القرآن العظیم	محمد الصادق عرجون		الدار السعودیۃ للنشر، جدہ، ۱۴۰۴ھ	۷۱
الانسان فی الکون بین القرآن والعلم	عبدالعلیم عبدالرحمن خضر		عالم المعرفۃ، جدہ، ۱۴۰۳ھ	۲۱۷
الانسان فی القرآن الکریم	محمد الشیخ عابد		الدار الوطنیۃ للنشر والتوزیع، ریاض ۱۴۰۶ھ	۲۱۷
تاملات حول وسائل الادراک فی القرآن الکریم	محمد الشرقاوی		دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۰۴ھ	۹۷
تاملات قرآنیۃ	عصمۃ الدین کرکر		رابطۃ العالم الاسلامی، مکۃ المکرمۃ ۱۴۰۸ھ	۹۹
التبیان فی اقسام القرآن	ابن قیم الجوزیہ		مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، ریاض ۱۴۰۱ھ	۲۸۰
تربیۃ النفس الانسانیۃ فی ظل القرآن الکریم	احمد محمد یحیی المقری		دار حافظ، جدہ، ۱۴۰۹ھ	۲۴۳
تنبیہ الاخوان علی الاخطاء فی مسألۃ خلق القرآن	حمود بن عبداللہ التویجری		دار اللواء، ریاض، ۱۴۰۳ھ	۶۳
حقوق الانسان وواجباتہ فی القرآن	حسن احمد عابدین		رابطۃ العالم الاسلامی، مکۃ المکرمۃ ۱۴۰۳ھ	۲۶۸
حقیقۃ الانسان بین القرآن وتصور العلوم	ابو الیزید العجمی		رابطۃ العالم الاسلامی، مکۃ المکرمۃ ۱۴۰۳ھ	۱۷۴
الحیدہ والاعتذار فی رد من قال بخلق القرآن	عبدالعزیز بن یحیی الکنانی		مکتبۃ التوعیۃ الاسلامیۃ لاحیاء التراث الاسلامی، قاہرہ، التوزیع: دار الاندلس، جدہ، ۱۴۱۰ھ	
الحیدہ (وانتصار المنہج السلفی)	عبدالعزیز بن یحیی الکنانی	ت، ع: اسماعیل الانصاری	دار الافتاء، ریاض، ۱۴۱۰ھ	۹۱
خوارق العادات فی القرآن الکریم	عبدالرحمن ابراہیم الحمیضی		شرکۃ مکتبات عکاظ، جدہ، ۱۴۰۲ھ	۲۷۳
دراسات تاریخیۃ من القرآن الکریم	محمد بیومی مہران		جامعۃ الامام ابن سعود، ریاض، ۱۴۰۱ھ	۲ جلدیں
دراسات فی فن التحریر الصحفی فی ضوء معالم قرآنیۃ	محمد فرید محمود عزت		دار الشروق، جدہ، ۱۴۰۳ھ	۴۷۳
الدعوۃ الی اللہ فی سورۃ ابراہیم الخلیل	محمد بن سیدی بن الحبیب		دار الوفاء، جدہ، ۱۴۰۶ھ	۵۲۸
الدعوۃ والداعیۃ فی ضوء سورۃ الفرقان	محمد سعید البارودی		دار الوفاء، جدہ، ۱۴۱۰ھ	۲۹۷

کتاب	مصنف/مؤلف	تحقیق/تدوین/تعلیق/ترجمہ	تفصیلات اشاعت	جلد/صفحات
الدعوة والدعاة من القرآن وإلى القرآن	محمد محمود الصواف	(ت)	(ط) دار العمیرہ، جدہ، ۱۴۰۶ھ	۱۵۰
زاد الصالحین والدعاة الی طریق الهدی والنجاة	محمد عیسی داؤد		شرکة مکة للطباعة والنشر، مکة المکرمة، ۱۴۰۰ھ	۳۳۱
سنن الله فی المجتمع من خلال القرآن	محمد صادق عرجون		الدار السعودیة للنشر، جدہ، ۱۴۰۳ھ (طبع سوم)	۷۴
السیرة النبویة فی القرآن الکریم	عبدالصبور مرزوق		رابطة العالم الاسلامی، مکة المکرمة، ۱۴۰۱ھ	۲۲۴
الصلاة فی القرآن الکریم: مفهومها وفقهها	فهد بن عبدالرحمن الرومی		توزیع: مکتبة الحرمین، ریاض، ۱۴۰۹ھ	۱۰۸
الصیام وتفاسیر الاحکام	عبدالقدوس الانصاری		د۔ن، جدہ، ۱۴۰۳ھ	۱۹۰
الطبیعة البشریة فی القرآن الکریم: دراسة نفسیة تربویة اجتماعیة	لطفی برکات احمد		دار المریخ، ریاض، ۱۴۰۱ھ	۱۹۲
^ الطریق الی الامة المسلمة فی سورة الحج	عبدالحمید محمود طهماز		دار القلم، دمشق، دار العلوم بیروت (توزیع: دار المنارہ، جدہ) ۱۴۰۶ھ	۱۰۳
عقیدة التوحید فی القرآن الکریم	محمد احمد ملکاوی		دار ابن تیمیہ، ریاض، ۱۴۰۵ھ	۳۰۲
علی مائدة القرآن: دین ودولة	احمد محمد جمال		دار الشروق، جدہ، ۱۴۰۰ھ (طبع سوم)	۲۰۳
العواصم من الفتن فی سورة الکهف	عبدالحمید محمود طهماز		دار القلم، دمشق، بیروت، دار المنارہ، جدہ، ۱۴۰۷ھ	۱۵۴
الفتوحات الربانیة بالخطب والمواعظ القرآنیة	محمد بن سالم البیحانی		مکتبة الریاض الحدیثة، ریاض ۱۳۹۲ھ	۳۵۵
الفرائض وشرح آیات الوصیة	عبدالرحمن بن عبدالله السهیلی	ت: محمد ابراهیم البنا	المکتبة الفیصلیة، مکة المکرمة، ۱۴۰۵ھ (طبع دوم)	۱۷۳
العلم القرآنی	عبدالرحمن البانی		المکتب الاسلامی، بیروت، مکتبة اسامة، ریاض، ۱۴۰۳ھ	۳۹

کتاب	مصنف / مؤلف	تحقیق/تدوین/تعلیق وغیرہ	تفصیلات اشاعت	جلد/صفحات
فی منابع البحث الاجتماعی فی القرآن الکریم وعند علمائہ ومفسریہ	لبیب السعید		دار عکاظ، جدہ، ۱۴۰۰ھ	۱۸۳
قبسات قرآنیہ	عبدالمؤمن محمد النعمان		دار العلم، جدہ، ۱۴۰۳ھ	۱۲۸
القرآن الکریم اساس التربیۃ الاسلامیۃ	محمد الفیصل آل سعود		جامعۃ ام القریٰ، مکۃ المکرمۃ، ۱۴۰۳ھ	۳۵
القرآن الکریم: کتاب احکمت آیاتہ	احمد محمد جمال		رابطۃ العالم الاسلامی، مکۃ المکرمۃ، ۱۴۰۲ھ	۴ جلدیں
القرآن الکریم معجزۃ وتشریع	عبدالکریم نیازی		نادی مکۃ الثقافی الادبی، مکۃ المکرمۃ، ۱۴۰۶ھ	-
القرآن الکریم ونظام الاسرۃ	عبدالباقی احمد سلامہ		مکتبۃ المعارف، ریاض، ۱۴۰۱ھ	۸۶
القرآن وبناء الانسان	صلاح الدین عبدالقادر البکری		تہامۃ للنشر، جدہ، ۱۴۰۲ھ	۱۸۶
کمال الامۃ فی صلاح عقیدتھا: شرح آیۃ "ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا"	ابوبکر جابر الجزائری		دار البخاری، بریدہ، ۱۴۰۰ھ	۳۹
لمحات نفسیۃ فی القرآن الکریم	عبدالحمید محمد الہاشمی		رابطۃ العالم الاسلامی، مکۃ المکرمۃ، ۱۴۰۰ھ	
مأدبۃ اللہ فی الارض	احمد محمد جمال		نادی القصیم الادبی، بریدۃ، ۱۴۰۲ھ	۴۴۶
المرأۃ فی القرآن الکریم	یحییٰ بن عبداللہ المعلمی		دار المعلمی، ریاض، ۱۴۰۵ھ	۲۲۷
مع القرآن الکریم	احمد بن محمد طاحون	تقدیم: احمد صلاح جمجوم	توزیع: دار الافتاء، ریاض، ۱۴۰۰ھ	۱۲۴
مفاہیم اعلامیۃ من القرآن الکریم	سید محمد ساداتی		دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۰۶ھ	۱۰۴
دراسۃ تحلیلیۃ لنصوص من کتاب اللہ: المفسرون بین التاویل والاثبات فی آیات الصفات	محمد بن عبدالرحمن		دار طیبۃ، ریاض، ۱۴۰۵ھ	۳ جلدیں
مکارم الاخلاق فی القرآن الکریم	یحییٰ المعلمی		دار المعلمی، ریاض، ۱۴۰۰ھ	۲۴۰
من حدیث القرآن عن الانسان	علی محمد العماری		رابطۃ العالم الاسلامی، مکۃ المکرمۃ، ۱۴۰۹ھ	۲۱۶
من نبع القرآن	محمد رجب البیومی		دار الاصالۃ، ریاض، ۱۴۰۳ھ	۹۷

کتاب	مصنف / مؤلف	تحقیقی مقالہ / تعلیمی مقالہ	تفصیلات اشاعت	جلد / صفحات
المنافقون في القرآن الكريم	عبدالعزيز بن عبدالله	(م) (د)	دار المجتمع، جدہ، ۱۴۰۹ھ	۴۸۸
مناہج الجدل في القرآن الكريم	زاہر عواض الالمعی		مطابع الفرزدق، ریاض، ۱۴۰۰ھ (طبع دوم) ۱۴۰۴ھ (طبع سوم)	۴۰۴
منزلة الصحابة في القرآن	محمد صلاح محمد الصاوي		دار طیبة، ریاض، ۱۴۰۰ھ	۶۱
المنهج الحركي في ظلال القرآن	صلاح عبدالفتاح الخالدی		دار المنارہ، جدہ، ۱۴۰۶ھ	۴۷۱
منهج الدعوة الاسلامية في البناء الاجتماعي على ضوء ما جاء في سورة الحجرات	محمد بن محمد الانصاري		مكتبة الانصار، ریاض، ۱۴۰۳ھ	۴۷۸
منهج الرسول صلى الله عليه وسلم في تربية الصحابة على ضوء سورة الحجرات	فيصل بن علي يحيي احمد		ف۔ع۔احمد، ریاض، ۱۴۰۷ھ	۱۹۸
منهج القرآن في تربية الرجال	عبدالرحمن عميرہ		شركة مكتبات عكاظ، جدہ، ۱۴۰۱ھ	۲۱۸
منهج القرآن في الدعوة الى الايمان	علي بن محمد ناصر الفقيهي		جامعة ام القرى، مكة المكرمة، ۱۴۰۵ھ	۳۸۴
منهج ودراسات لآيات الاسماء والصفات	محمد امين الشنقيطي		الجامعة الاسلامية، مدینہ منورہ، ۱۴۰۱ھ	۲۶
المواهب الربانية من الآيات القرآنية	عبدالرحمن بن ناصر		مكتبة المعارف، ریاض، ۱۴۰۲ھ	۷۸
نعم الله في خلق الانسان كما يصوره القرآن الكريم: رسالة في التفسير الموضوعي	عزت محمد حسن		مكتبة المعارف، ریاض، ۱۴۰۳ھ	۱۹۶
نفحات من السكينة القرآنية	محمد بن ناصر العبودي		دار العلوم، ریاض، ۱۴۰۳ھ	۲۰۷
النفس الانسانية في القرآن الكريم	ابراهيم محمد سريتق		تهامة للنشر، جدہ، ۱۴۰۱ھ	۱۱۰
نور من القرآن في طريق الدعوة والدعاة	ابو بسم محمد الحسين		رابطة العالم الاسلامي، مكة المكرمة، ۱۴۰۹ھ	۱۴۷

وعلمك ما لم تكن تعلم

تعارف و تبصرہ

المنہل (عدد خاص للقرآن)

مجلۃ العرب الادبیۃ

دارۃ المنہل، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، جدہ

۵۳/ ۴۹۱ ربیع الاول و ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ / ستمبر۔ اکتوبر ۱۹۹۱ء، ص ۲۹۲

قرآن کریم وہ آخری آسمانی کتاب ہدایت ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ یہ کتاب الٰہی قیامت تک پوری انسانیت کے لیے منبع رشد و ہدایت بھی ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ علوم و معارف کا خزینہ بھی۔ مختلف پہلوؤں سے اس کے مطالعہ اور اس کے مباحث کی توضیح و ترجمانی کا سلسلہ بغیر کسی انقطاع کے برابر جاری ہے۔ ابتدا ہی سے علماء اور مفکرین اس کے مختلف النوع پہلوؤں پر تحقیق و تحلیل کا کام کرتے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی مختلف زبانوں میں قرآنیات پر تحقیقات کے نتائج تصانیف کی صورت میں منظر عام پر آتے رہتے ہیں۔ قرآنی موضوعات پر تصنیفات کے ساتھ ساتھ دنیا کی مختلف زبانوں میں قرآنیات سے متعلق جرائد و مجلات کے خصوصی نمبر بھی شائع ہوتے رہتے ہیں۔ جن میں بہت کچھ قیمتی اور قابلِ قدر مواد ایک جگہ جمع کر دیا جاتا ہے۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی جدہ (سعودی عربیہ) سے شائع ہونے والے مجلہ "المنہل" کا ستمبر و اکتوبر ۱۹۹۱ء کا مشترکہ شمارہ ہے جو قرآنیات کے ساتھ مخصوص ہے۔

یہ خصوصی شمارہ ۳۸ مقالات پر مشتمل ہے جو ۲۹۲ صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ مقالات کو موضوعات کے اعتبار سے چھ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، جن کی تفصیل بایں طور ہے (۱) بین یدی القرآن (پانچ مقالات) (۲) دراسات قرآنیہ (دس مقالات) (۳) دراسات لغویہ و بیانیہ (آٹھ مقالات) (۴) دراسات انسانیہ (پانچ مقالات) (۵) الاعجاز العلمی (چھ مقالات) (۶) القصص القرآنی (چار مقالات)۔

بین یدی القرآن :

اس حصہ کا آغاز مقالہ "العقل والقلب مدار ان للایمان" سے ہوتا ہے۔ مضمون نگار نے قرآن کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ عقل اور دل ایمان کے باب میں بنیادی حیثیت کے حامل ہیں۔ معرفت خداوندی اور وحدانیت پر ایمان لانے کے لیے قرآن نے جابجا عقل اور دل کو مخاطب کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا ہے کہ وہ آفاق و انفس پر غور کریں کہ ان کا خالق کون ہے؟ قرآن کریم میں بار بار افلا تعقلون، افلا تتفکرون، افلا تتدبرون، افلا یبصرون اور افلا یسمعون وغیرہ کے الفاظ دہرائے گئے ہیں۔ (ص ۱-۱۶)

دوسرا مقالہ "ان ھذا القرآن یھدی للتی ھی اقوم" ہے۔ اس مضمون میں بتایا گیا کہ قرآن کریم رشد و ہدایت کا سب سے بہتر راستہ ہے۔ گزشتہ تمام انبیاء و رسل ایک خاص قوم، مخصوص خطہ ارض اور محدود مدت کے لیے مبعوث ہوئے لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم رہتی دنیا تک تمام عالم کے لیے ہدایت و نجات کا ذریعہ ہیں (ص ۱۷-۲۵) قرآن کریم میں ارشاد ہے: تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ۔ نہایت متبرک ہے وہ جس نے یہ فرقان اپنے بندے پر نازل کیا ہے۔ لیکون للعالمین نذیراً (الفرقان ۱/۲۲) تاکہ سارے جہاں والوں کے لیے خبردار کر دینے والا ہو۔

اس حصہ کا تیسرا مضمون "ثقافۃ القرآن بین الخاصۃ والعامۃ" ہے۔ اس میں یہ مسئلہ اٹھایا گیا کہ قرآن کریم ایک ایسی آسمانی کتاب ہے جس سے اہل علم اور عوام الناس دونوں ہی یکساں طور سے مستفید ہوتے ہیں۔ اس کتاب عزیز کو اہل زبان، محدثین، مفسرین اور علمائے توحید نے اپنی توجہ کا مرکز قرار دیا۔ یہ حضرات اپنے علوم کی بنیاد قرآن کریم پر رکھتے ہیں۔ علماء نحو و بلاغت کی باتیں اسی وقت پایۂ استناد کو پہنچتی ہیں جب ان کے استدلال کی بنیاد قرآن کریم سے ماخوذ دلائل و براہین پر رکھی گئی ہو۔ عربی زبان وادب کی نشو و نما میں قرآن مجید کا بڑا کلیدی حصہ رہا ہے اور ایک عالم کو اس کا اعتراف ہے۔ قرآن کریم کی ثقافت عام یہ ہے کہ ایک مسلم بچہ اپنی تعلیم کی ابتداء قرآن کریم سے کرتا ہے۔ قرآن کی کچھ سطریں تختی پر لکھتا ہے۔ سورہ بقرہ سے سورہ محمد تک کی سورتوں کو زبانی یاد کرتا ہے۔ یہ سب کرنے کے بعد کالج میں تفسیر قرآن، اسباب نزول قرآن اور تعداد قرأت کے موضوعات پر مطالعہ شروع کرتا ہے۔ (ص ۲۱-۲۴) اس میں چوتھا مضمون "الرسالۃ والقرآن الکریم فی مرآۃ

اساطین المشرق والمغرب" ہے۔ اس میں مضمون نگار نے مستشرقین اور دوسرے مفکرین کے خیالات کو پیش کر کے بتایا ہے کہ ان میں بہت سے قرآن کریم کی حقانیت اور نبوت محمدی کے قائل ہیں (ص ۱۴۴-۱۱۸) آخری اور بہترین مضمون "الرسول فی القرآن الکریم" ہے، اس مضمون میں قرآنی آیات کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام و مرتبہ متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور وضاحت سے یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ اللہ کے ساتھ ساتھ رسول پر ایمان لانا ضروری ہے اور اس باب میں کسی طرح کی تفریق ممکن نہیں ہے۔ اطاعت خدا اطاعت رسول کی متقاضی ہے (ص ۱۴۹-۱۴۴) قرآن کریم میں ارشاد ہے

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى	پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع
اللّٰهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ	ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو،
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (سورہ النساء: ۵۹)	اگر واقعی تم اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہو۔

دراسات قرآنیہ:

اس حصہ کی ابتداء "البحث فی الاعجاز القرآنی ۔ نظرۃ تاریخیۃ" سے ہوتی ہے۔ اس مضمون میں نظریۂ اعجاز قرآن کے موضوع پر ہونے والے کاموں کا عہد بعہد جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کے مطابق دوسری صدی ہجری میں مامون کے عہد میں جب فتنۂ خلق قرآن نے سر اٹھایا اس وقت اس بحث کا آغاز ہو چکا تھا۔ تاریخی اعتبار سے اسلوب قرآن کے اعجاز پر جاحظ نے ایک رسالہ "نظم القرآن" کے نام سے تصنیف کیا تھا لیکن وہ دستیاب نہیں ہے۔ اس کے علاوہ جاحظ نے اپنی دو کتاب "الحیوان" اور "البیان والتبیین" میں اس موضوع پر بحث کی ہے۔ پانچویں صدی میں باقلانی اور عبدالقاہر جرجانی نے اسے اپنی تحقیق کا موضوع بنایا۔ چھٹی صدی میں ابو حامد الغزالی، قاضی عیاض، زمخشری اور ابن عطیہ نے اس پر قیمتی تصانیف چھوڑیں، ساتویں صدی میں امام رازی، سکاکی، ابن عربی، آمدی، حازم القرطاجنی اور بیضاوی نے اس موضوع پر گرانقدر تحقیقات کیں۔ آٹھویں صدی میں زملکانی نے "التبیان فی اعجاز القرآن" میں اور ابن تیمیہ نے "جواب اهل العلم والایمان بتحقیق ما اخبر به رسول الرحمٰن" میں اس موضوع پر بحث کی، خطیب قزوینی نے سکاکی کی کتاب مفتاح العلوم کی تلخیص کی، یحییٰ بن حمزہ علوی نے اپنی کتاب "کتاب الطراز" میں ابن قیم نے "الفوائد المشوق الی علوم القرآن وعلم البیان"

میں اور ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اس کو اپنی فکری کاوشوں کا مرکز بنایا۔ موضوع زیر بحث پر اس عہد کی سب سے اہم اور مہتم بالشان کتاب زرکشی کی "البرہان فی علوم القرآن" ہے۔ نویں صدی میں ابن خلدون، فیروز آبادی، مراکشی اور دسویں میں سیوطی نے "الاتقان فی علوم القرآن" اور "معترک الاقران فی اعجاز القرآن" میں بحث و نظر کا موضوع بنایا۔ گیارہویں صدی میں شہاب خفاجی نے، بارہویں صدی میں ضریر مالکی اسکندری نے اور تیرہویں صدی میں امام شوکانی نے اپنی تفسیر فتح القدیر میں اور آلوسی نے روح المعانی میں اعجاز قرآن پر بحث کی۔ چودھویں صدی ہجری میں شیخ طنطاوی جوہری، محمد احمد جاد المولی اور موریس بکائے نے اس موضوع پر اظہار خیال کیا (ص ۲۵-۴۰) اس میں دوسرا مضمون "اعجاز القرآن فی ترتیبہ" ہے۔ اس میں بتایا گیا کہ قرآن کریم کی موجودہ ترتیب نزولی ترتیب سے جداگانہ ہے، قرآن کی موجودہ ترتیب توقیفی ترتیب ہے اور اسی ترتیب کے ساتھ لوح محفوظ میں موجود ہے۔ اس ترتیب میں کبھی کوئی ردوبدل ممکن نہیں۔ موجودہ ترتیب کے لحاظ سے دیکھا جائے، تو قرآن کا ہر لفظ، ہر حرف، ہر آیت اور ہر سورہ اعجازی شان کی حامل ہے۔ اس سلسلے میں مضمون نگار نے امام خطابی، عبدالقاہر اور ڈاکٹر عبداللہ دراز وغیرہ کی آراء نقل کی ہیں۔ قرآن کریم سے آٹھ مثالیں دیتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ ترتیب قرآن کریم میں ایک اعجاز ہے (ص ۴۱-۴۸) تیسرا مضمون "الوحدۃ العضویۃ والموضوعیۃ بین آیات السورۃ الواحدۃ" ہے، اس مضمون میں اس چیز کی وضاحت کی گئی کہ ایک سورہ کے ایک سے زائد موضوعات ہو سکتے ہیں۔ لیکن ان موضوعات میں مناسبت و ہم آہنگی کا پایا جانا لازمی ہے (ص ۴۹-۵۲) اس حصہ کا ایک وقیع مضمون "الاحرف السبعۃ والقرأت" ہے۔ اس میں علم القرأت کی تعریف کرتے ہوئے یہ واضح کیا کہ عہد نبی صلی اللہ علیہ وسلم، عہد حضرت ابوبکرؓ، عہد حضرت عثمانؓ اور آپ کے بعد دوسرے اور تیسرے عہد حتیٰ کہ ابن مجاہد کے عہد تک فن قرأت کو غیر معمولی ترقی ملی۔ دمشق میں حضرت ابوالدرداء کے حلقہ میں ایک ہزار سات سو قراء تھے، اس مضمون میں تعدد قرأت اور اس کے اسباب و فوائد سے بھی بحث کی گئی ہے، قرأت صحیحہ کے ارکان بھی ذکر کیے گئے ہیں۔ شاذ قرأت پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کی مثالیں بھی دی گئی ہیں۔ انزال القرآن علی سبعۃ احرف سے متعلق احادیث اور علماء فن کی آراء کی روشنی میں بحث کی گئی ہے (ص ۵۳-۸۰) اس کے بعد مضمون "تلاوۃ القرآن الکریم بالترجیع والنغم" ہے۔ ترنم سے قرأت کرنے کے باب میں

علماء کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ ایک گروہ کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں اور یہی علماء جمہور کا مسلک بھی ہے، دوسرا گروہ اسے ناپسندیدہ قرار دیتا ہے (ص ۸۱۔۸۴) اس حصہ میں ایک خالص علمی و تحقیقی مضمون "اشکالیۃ نقل المعنی فی ترجمات القرآن الکریم" ہے۔ سب سے پہلے تو اس میں خود ترجمہ کے مفہوم و ماہیت سے بحث کی گئی ہے اور پھر کلام الٰہی کی معجز بیانی کے حوالے سے یہ نکتہ منظر عام پر لایا گیا کہ اس کے معانی و مفاہیم کو کسی دوسری زبان میں منتقل کرنے میں کن مشکلات اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے (ص ص ۸۵۔۹۰) اس کے بعد مقالہ "من اصول التفسیر وضوابطہ" کے عنوان سے ہے، اس میں سب سے پہلے تفسیر و تاویل کے فرق کو بیان کیا گیا،

علماء کے یہاں تفسیر کے سلسلے میں دو نقطۂ نظر پائے جاتے ہیں ایک تفسیر بالماثور اور دوسرے تفسیر بالرائے، تفاسیر بالماثور کے ضمن میں جو کام ہوئے ہیں ان کا استقصار ممکن نہیں ہے۔ البتہ تفسیر ابن جریر طبری، الدر المنثور فی التفسیر الماثور اور تفسیر ابن کثیر خصوصی شہرت کی حامل ہیں۔ وہ تفاسیر جن میں تفسیر بالرای کو بھی اہمیت دی گئی ہے ان میں تفسیر بیضاوی، تفسیر ابی المسعود اور تفسیر نیساپوری کا خاص طور سے ذکر کیا جاسکتا ہے۔ اس میں یہ بھی بتایا گیا کہ تفسیر قرآن کے تین بنیادی مآخذ ہیں قرآن کریم، سنت نبوی اور اقوالِ صحابہ (ص ۱۰۳۔۱۰۸)۔ اس کے بعد مضمون "مراحل التفسیر" ہے جس میں تفسیر کے پانچ مراحل کا ذکر کیا گیا، پہلے مرحلہ کی ابتداء آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو کر صحابۂ کرام رضا اور کبار تابعین پر ختم ہوتی ہے، دوسرا مرحلہ دوسری صدی ہجری سے شروع ہو کر چوتھی صدی کے نصف پر ختم ہوتا ہے، تیسرا مرحلہ چوتھی صدی ہجری کے نصف سے شروع ہو کر ساتویں صدی ہجری کے نصف پر ختم ہوتا ہے، چوتھا مرحلہ ساتویں صدی کے نصف سے شروع ہو کر تیرہویں صدی کے آخر پر ختم ہوتا ہے۔ اس مرحلہ میں تفسیر قرآن میں تقلیدی نقطۂ نظر زیادہ نظر آتا ہے۔ زیادہ تر مفسرین نے متقدمین کی آراء و اقوال کو اپنی تفاسیر میں جمع کر دینے پر اکتفا کیا ہے۔ فن تفسیر کے ارتقاء کے پانچویں مرحلہ میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ تفسیر قرآن میں ایک نیا رجحان پیدا ہو رہا ہے اور وہ یہ کہ قرآن کی تفسیر اس طرح کی جائے کہ علم، عقل اور دین کے مابین ایک ربط برقرار رہے چنانچہ محمد عبدہ اور رشید رضا کی تفسیر منار، سید قطب کی فی ظلال القرآن اور شیخ طنطاوی جوہری کی تفسیر جواہر القرآن میں انہی خیالات کی ترجمانی ملتی ہے۔ (ص ۱۰۹۔۱۱۲) اس حصہ کا آخری مضمون "غریب القرآن الکریم دراسۃ وصفیۃ" ہے۔

یہ مقالہ قرآن مجید میں استعمال ہونے والے ان الفاظ سے بحث کرتا ہے جن کے معانی کا تعین دشوار ہے۔ غرائب القرآن پر غور و خوض کا کام عہد صحابہ ہی سے شروع ہو گیا تھا، اس مضمون میں غریب القرآن پر لکھی جانے والی ۲۴ کتب کا ذکر کیا گیا ہے۔ تین ایسے لغات کا بھی ذکر ہے جس میں غرائب الفاظ قرآن پر خصوصی توجہ دی گئی ہے اور آخر میں غریب القرآن کے سلسلے میں علماء کے تین مکاتب فکر کا بھی ذکر کیا گیا ہے (ص ۱۲۰)

دراسة لغوية وبيانية :

یہ اس خاص نمبر کا تیسرا حصہ ہے۔ اس کا سب سے پہلا مقالہ "الاعجاز البیانی فی القرآن الکریم" ہے۔ زبان و بیان کے لحاظ سے قرآن کریم دنیا کی سب سے عظیم الشان کتاب ہے۔ قرآن نے خود متعدد مقامات پر اس کی شہادت دی ہے۔ معجزہ، اعجاز اور بیان کی تعریف کرتے ہوئے یہ واضح کیا گیا ہے کہ قرآن کریم کے چار مقاصد ہیں: معرفت الٰہی، اوامر و نواہی کی پہچان، صلحاء کے راستوں پر لوگوں کو چلنے کی دعوت دینا اور ان کے احوال کا ذکر کرنا اور آخر میں فن بلاغت سے بحث کی گئی اور اس پہلو کو مثالوں کے ذریعہ نمایاں کیا گیا ہے کہ قرآن کریم بلاغت کا سب سے اعلیٰ نمونہ ہے۔ (ص ۱۲۱-۱۳۰)
اس کے بعد مقالہ "اثر القرآن الکریم علی اللغة العربیة" ہے۔ عربی زبان نے مختلف پہلوؤں سے قرآن کریم کے اثرات قبول کیے اور اس کے ارتقاء میں قرآن مجید کا بڑا حصہ ہے۔ یہی اس مقالہ کا خاص موضوع بحث ہے (ص ۱۳۱-۱۳۶)۔ اس کے بعد مقالہ "من الظواہر النحویہ فی القرآن" ہے۔ ارتقاء کے مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے، نزول قرآن کے عہد تک عربی زبان ایک اعلیٰ زبان بن چکی تھی اور اس میں شعر و ادب کی بہترین روایات قائم ہو چکی تھیں، اس کے بعد جب اس زبان میں قرآن کا نزول ہوا تو اس کی شان و شوکت میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا۔ قرآن کریم میں استعمال ہونے والی عربی کے معیار کو دیکھتے ہوئے نحویین نے اسی کو مرجع اور اصل قرار دیا اور اسی سے استدلال و استشہاد کرنے لگے۔ اس طرح جو نحو وجود میں آئی وہ دراصل قرآنی زبان کی اساس پر قائم تھی (ص ۱۳۷-۱۴۰)۔ اس کے بعد مقالہ "دلالات الالفاظ القرآنیہ — دراسة وصفیة" ہے۔ اس میں مقالہ نگار نے قرآن کریم کے متعلق یہ حقیقت واضح کی ہے کہ وہ اپنی جگہ نہایت موزوں اور ناگزیر ہوتے ہیں اور مطلوبہ مفاہیم کی ان سے بھرپور ادائیگی ہوتی ہے، مثالیں دیتے ہوئے اس نکتہ کو ابھارا ہے کہ الفاظ کی تقدیم تاخیر بڑی معنی خیز ہوتی

ہے۔ قرآن میں بعض الفاظ مفرد اور بعض جمع استعمال ہوئے ہیں۔ اس میں بھی ایک حکمت ہے۔ قرآن کریم میں کچھ اسماء نکرہ اور کچھ معرفہ استعمال ہوئے ہیں اس میں بھی ایک حسن ہے (ص ۱۴۱-۱۵۴)۔ اس حصہ کا ایک اہم مضمون "دقـة تحرير الالفاظ واستعمالها في القرآن الكريم" ہے، اس مضمون کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ قرآن میں بہت سے الفاظ ایسے ہیں جو بظاہر مترادف ہیں لیکن سیاق وسباق کے لحاظ سے ہر لفظ اپنی جگہ ایک منفرد معنوی خصوصیت کا حامل ہے۔ مثلاً رویا وحلم، حلف وقسم، خشوع و خوف اور زوج ومرأة وغیرہ۔ یہ تمام الفاظ موقع ومحل کے اعتبار سے جداگانہ حیثیت کے حامل ہیں۔ جبکہ بظاہر مترادف کا گمان ہوتا ہے (ص ۱۵۵-۱۶۰)۔ اس کے بعد مقالہ "من بلاغة الحذف في القرآن الكريم" ہے۔ اس میں اس پہلو سے بحث کی گئی ہے کہ عربی زبان کے مزاج میں ہے کہ اس میں بہت سی چیزیں محذوف ہوتی ہیں اور یہی کلام کا اصل حسن اور بلاغت کی بنیادی روح ہے۔ بعض جگہ کوئی لفظ اور کلمہ اس لیے حذف کر دیا جاتا ہے کہ مفہوم پوری طرح واضح ہو جائے اور معنی مراد پوری وضاحت سے کھل کر سامنے آجائے کبھی حذف تکرار سے بچنے کے لیے ہوتا اور کبھی اس لیے کہ جوبات محذوف ہے وہ بداہۃً اتنی واضح ہوتی ہے کہ اس کے بیان کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ مضمون نگار نے اپنی بات کو مدلل بنانے کے لیے قرآن کریم سے بہت سی مثالیں دی ہیں۔ (ص ۱۶۱-۱۶۷) اس کے بعد مضمون "التصحيف والتحريف" ہے جس کا براہ راست قرآن کریم سے تعلق نہیں ہے بلکہ یہ بنیادی طور پر زبان وبیان میں رونما ہونے والی تبدیلیوں سے بحث کرتا ہے۔ (ص ۱۶۸-۱۷۴) اس کے بعد "الامثال في القرآن الكريم" ہے۔ اس کی ابتدا میں یہ صراحت کی گئی ہے کہ قرآن نے بے شمار مثالیں دی ہیں جن کا اصل مقصد یاددہانی ہے۔ قرآن کریم میں تین طرح کی مثالیں مذکور ہیں الامثال المصرحہ، الامثال الکامنہ اور الامثال المرسلہ، ان تمام مثالوں کی وضاحت قرآن کریم کی آیات سے کی گئی ہے (ص ۱۷۵-۱۷۸)

دراسات انسانية:

اس حصہ کا سب سے پہلا مقالہ "النفس في القرآن الكريم" ہے۔ روح انسانی پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا گیا کہ روح کی تین قسمیں ہیں: روح سلیمہ، روح میتہ اور روح مریضہ۔ ان تینوں

سے متعلق کسی قدر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ روح سلیم اللہ کے حکموں کی پیروی اور نواہی سے احتراز کرتی ہے۔ قرآن کے بتائے ہوئے راستوں پر چلنے سے روح کے اندر پیدا ہو جانے والی بیماریاں اور خرابیاں دور ہو سکتی ہیں (ص ۱۷۹۔۱۸۶)۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے :

ونفس وماسواها فالهمها فجورها	اور جی کی اور جیسا کہ اس کو ٹھیک بنایا، پھر سمجھ
وتقواها۔ قد افلح من زکاها وقد	دی اس کو ڈھٹائی کی اور بچ کر چلنے کی، تحقیق
خاب من دساها۔	مراد کو پہنچا جس نے اسے سنوار لیا اور نامراد
(الشمس: ۷۔۱۰)	ہوا جس نے اسکو خاک میں ملا چھوڑا۔

اس کے بعد مقالہ "القرآن الکریم والفکر التربوی" ہے، اس میں ان رہنما اصولوں کی نشاندہی کی گئی جس کی روشنی میں فکری تربیت کا فریضہ بخوبی انجام دیا جاسکتا ہے (ص ۱۸۷۔۱۹۲)۔ اس کے بعد مقالہ "الظاہرۃ الحضاریۃ فی القرآن الکریم" ہے۔ اس میں قرآنی تعلیمات کی روشنی میں پروان چڑھنے والی معاشرتی اقدار کا جائزہ لیا گیا ہے ۔ اس مطالعہ کے بموجب معاشرتی تمدن کی بنیاد تین چیزوں پر ہے۔ انسان، فکر اور اشیاء، اس کے بعد ان تینوں چیزوں پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا گیا کہ اس سے متعلق قرآن کا کیا نقطہ نظر ہے (ص ۱۹۳۔۲۰۶)۔ اس کے بعد مقالہ "القیاس المنطقی فی القرآن الکریم" ہے ۔ اس میں ان بہت سی آیات کو نقل کیا گیا جس میں حق کا لفظ استعمال ہوا ہے اور ان کی روشنی میں بتایا گیا کہ قرآن کس طرح منطقی قیاس کے مختلف پہلوؤں کو واضح کرتا ہے۔ مفکرین اسلام کے مابین بھی اس منطقی قیاس کے باب میں اختلاف آراء پایا جاتا ہے حق سے متعلق آیات قرآنی کو دیکھا جائے تو حق کبھی ظن کے مقابلے میں، کبھی کذب کے مقابلے میں، کبھی صدق کے مقابلے میں حتی کہ کبھی باطل اور ضلال کے مقابلے میں آتا ہے۔ کہیں کہیں ایمان، حکمت اور عدل وشرائع کے متوازی بھی استعمال ہوا ہے۔ (ص ۲۰۷۔۲۱۴) اس کے بعد مقالہ "المستشرقون والقرآن" ہے ۔

عنوان سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں مستشرقین کی ان فتنہ پردازیوں اور علمی بد دیانتیوں کا جائزہ لیا گیا ہوگا جو انھوں نے قرآن کے بارے میں پھیلا رکھی ہیں۔ لیکن اس مضمون میں ایسا نہیں ہے بلکہ صرف ایک انگریز مستشرق آرتھر جیفری (ARTHUR JAFFARY) نے ابوبکر عبداللہ بن ابی داؤد کی کتاب "المصاحف" پر جو بارہ صفحے کا مقدمہ لکھا ہے اس میں اس نے جو یاوہ گوئیاں کی ہیں یہاں اس

مضمون میں اسی کا جائزہ لیا گیا ہے اور اس کے دعووں کی پرزور تردید کی ہے (ص ۲۱۵-۲۲۰)۔

الاعجاز العلمی :

اس حصہ کا آغاز مقالہ "الاعجاز العلمی فی القرآن والسنہ" سے ہوا ہے، قرآن کریم آخری آسمانی کتاب ہدایت ہے اور اس کی تعلیمات کے مطابق ایمان کا علم سے گہرا ربط ہے۔ اسلام میں عقل اور علم کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ قرآن کے علمی اعجاز کی حقیقت کیا ہے۔ اس نکتہ کی بھی اس مقالہ میں توضیح کی گئی ہے۔ متعدد آیات کی روشنی میں یہ بات بڑے پرزور انداز میں پیش کی گئی۔ قرآن صرف اوامر اور نواہی کی کتاب نہیں ہے، بلکہ اس میں یہ بھی بتایا گیا کہ اس کے بندوں پر اوامر و نواہی کی پابندی کیوں لازم ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے :

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ	حقیقت یہ ہے کہ یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے
اَقْوَمُ۔ (الاسراء : ۹/۱۷)	جو بالکل سیدھی ہے

چنانچہ قرآن مجید کا اسلوب خالص علمی اسلوب ہے اور قرآن کریم علوم و معارف کا سرچشمہ ہے (ص ۲۲۱-۲۳۲)

اس کے بعد مقالہ "استشفاء بالقرآن الکریم" ہے۔ اس مقالہ میں مختلف امراض سے شفا پانے کے لیے آیات قرآنی کے استعمال کے مسئلہ سے بحث کی گئی ہے۔ احادیث سے ثابت ہے کہ مختلف مواقع پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سلسلہ میں قرآنی آیات سے مدد لی ہے۔ اس باب میں علماء کی آراء کو بھی نقل کیا گیا ہے (ص ۲۳۳-۲۴۲)۔ اس کے بعد مقالہ "قبس من الاعجاز الطبی فی القرآن الکریم" ہے۔ اس میں سورہ مریم کی آیات ۲۲ تا ۲۶ پیش کی گئی ہیں اور بحث کا دائرہ کار انہی آیات تک محدود ہے۔ ان آیات کی روشنی میں طبی حقائق بیان کیے گئے ہیں۔ نیز سجدہ کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہوئے بتایا گیا کہ طبی نقطۂ نظر سے اس کے متعدد فوائد ہیں۔ جن کی تعداد آٹھ تک پہنچتی ہے (ص ۲۴۳-۲۵۰)

اس کے بعد ایک تحقیقی مقالہ "اطوار الجنین فی القرآن الکریم وعلم الاجنہ" ہے۔ اس مقالہ میں قرآنی شواہد کی روشنی میں انسانی خلقت کے مختلف مراحل کا جائزہ لیا گیا ہے اور ان میں پوشیدہ حکمتوں کا کسی قدر تجزیہ کیا گیا ہے۔ (ص ۲۵۱-۲۶۸) اس کے بعد مقالہ "المن والسلوی فی القرآن" ہے۔ عنوان سے بظاہر یہ خیال ہوتا ہے کہ اس میں من اور سلوی دونوں سے بحث کی گئی ہو گی جبکہ صرف من سے بحث

کی گئی ہے۔ من کی تعریف بیان کرنے کے بعد بتایا گیا کہ اس کا ذکر کتب سماویہ اور قدیم طب میں بھی ملتا ہے یہ مسئلہ بھی زیر بحث آیا کہ من کا اطلاق کن کن چیزوں پر ہوتا ہے (ص ۲۵۹-۲۶۲)۔ اس کے بعد مقالہ "وَالْجِبَالَ أَوْتَادًا" میں علم طبقات الارض کے نقطۂ نظر سے پہاڑوں کے سلسلہ میں ایک مطالعہ پیش کیا گیا ہے اور ان حکمتوں کو واضح کیا گیا ہے جو ان پہاڑوں کی تخلیق میں پوشیدہ ہیں تحقیقات نے روز روشن کی طرح عیاں کر دیا ہے کہ یہ پہاڑ نظام کائنات کے تناسب کی ایک بنیادی کڑی ہیں۔ (ص ۲۶۳-۲۶۶)۔

القصص القرآنی :

اس خاص نمبر کا یہ آخری حصہ ہے اور اس حصہ میں بھی متعدد اہم مقالات شامل ہیں۔ سب سے پہلا مقالہ "القصة القرآنية — قرآنية تأملية" ہے۔ مقالہ میں پہلے قصہ کے مادہ اور مشتقات سے بحث کی گئی ہے۔ اس کے مشتقات قرآن کریم کی بارہ سورتوں میں وارد ہوئے ہیں۔ قرآنی قصص دراصل حق و باطل کے درمیان ایک حد فاصل ہیں۔ قرآن کریم کی بیشتر سورتوں میں کوئی نہ کوئی واقعہ مذکور ہے قرآن میں متعدد قصوں کو اسلوب بیان کی تبدیلی کے ساتھ بار بار ذکر کیا گیا ہے، کسی قصہ کی طرف کہیں ہلکا سا اشارہ ہے، کوئی قصہ کسی قصہ کے تقابل میں ذکر کیا گیا ہے، قرآن کے اس انداز و اسلوب میں ایک حکمت اور بلاغت پوشیدہ ہے۔ قرآنی قصص میں قوموں کی داستان اس لیے بیان کی گئی ہے تاکہ اس سے عبرت و نصیحت حاصل کی جائے (ص ۲۶۸-۲۷۸) اس کے بعد مقالہ "المعايير الادبية في القصة القرآنية" ہے۔ مقالہ نگار قرآنی قصص کا مختلف زاویوں سے جائزہ لیتے ہوئے اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ زبان و بیان کے لحاظ سے قرآنی قصے اپنی نظیر آپ ہیں (ص ۲۷۹-۲۸۲) اس کے بعد اور ایک مختصر مقالہ "اكتشاف اول طبعة للقرآن الكريم في روما ۱۵۳۷-۱۵۳۸م" ہے۔ اس مختصر مضمون میں اس تاریخی حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ قرآن کریم کا سب سے پہلا نسخہ [illegible] میں زیور طباعت سے آراستہ ہوا، اس سب سے پہلے نسخہ کی طباعت اٹلی میں ہوئی یہ نسخہ ۲۳۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس تحقیق کا سہرا پروفیسر سرجونیا کے سر جاتا ہے جو میلانو یونیورسٹی میں "اكاديمية العلوم والفنون" کے رکن ہیں (ص ۲۸۳-۲۸۵) اس حصہ کا آخری مقالہ

"مجمع الملک فہد لطباعۃ المصحف الشریف" ہے جس میں مصحف کی طباعت کے سلسلے میں شاہ فہد کی خدمات کو سراہا گیا ہے (۲۸۹-۲۶۲)۔

اب تک مقالات کے سلسلے میں نہایت اختصار کے ساتھ بتایا گیا کہ یہ کن مباحث و موضوعات پر مبنی ہیں۔ مقالات میں قرآنیات کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے لیکن پھر بھی بہت سے پہلو باقی رہ گئے۔ ویسے قرآن کریم علوم و معارف کا وہ منبع ہے کہ تا قیامت اس پر بحث و تحقیق کا سلسلہ جاری رہے گا لیکن پھر بھی اس کی حکمتیں ختم نہیں ہوں گی۔ چند مقالات کو چھوڑ کر تمام ہی مقالات جدید تحقیقی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے لکھے گئے ہیں۔ مراجع و حواشی کا اہتمام کیا گیا ہے جبکہ یہ چیز عرب مصنفین کے یہاں کم پائی جاتی ہے۔ لیکن اب ان کے یہاں بھی تحقیق کے جدید اصول و قواعد کو برتا جایا جانے لگا ہے۔ المنہل کا یہ قرآن نمبر قرآنیات کی دنیا میں ایک مفید و قیع اضافہ ہے۔ مضامین کی فراہمی میں مدیر کو بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔ جس کے لیے وہ مبارک باد اور شکریئے کے مستحق ہیں۔

(ابوسفیان اصلاحی)

ششماہی علوم القرآن، علی گڑھ ۶/ ۱اور۲، جنوری۔دسمبر ۱۹۹۱ء

کتاب نما

ادارہ

قرآنیات پر نئی کتابیں :

فلسفے کے بنیادی مسائل: قرآن حکیم کی روشنی میں۔ امین احسن اصلاحی،
ناشر: فاران فاؤنڈیشن ۱۲۲، فیروز پور روڈ، اچھرہ، لاہور، ۱۹۹۱ء، صفحات ۲۴۶

مولانا امین احسن اصلاحی کی یہ تازہ تالیف فلسفہ کے چھ اہم بنیادی مسائل یعنی خدا کی ذات و صفات، کائنات میں انسان کا مقام خیر و شر، جبر و اختیار، آخرت اور جزا و سزا اور نظام نبوت سے بحث کرتی ہے، سب سے پہلے ان موضوعات کے بارہ میں قدیم و جدید فلسفیوں کی آراء کو زمانی ترتیب سے پیش کیا گیا ہے اور پھر ان پر تنقید کرتے ہوئے ان کی کمزوریوں کو اجاگر کیا گیا ہے اور آخر میں قرآن حکیم کی حکمت کو واضح کرکے یہ دکھایا گیا ہے کہ ان بنیادی مسائل کے بارے میں قرآن مجید کا نقطہ نظر کیا ہے اور اس کا بنایا ہوا حل کتنا محکم ہے اور وہ کس طرح انسانی فطرت کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہے۔

یہ کتاب مولانا اصلاحی کی باضابطہ تصنیف نہیں ہے بلکہ ان موضوعات پر ان کے لکچرز کا مجموعہ ہے جسے مناسب ترتیب کے ساتھ جمع کر دیا گیا ہے اور اس طرح یہ کتاب ان کے فکر کی ترجمانی ہے اور یہ ترجمانی مولانا کے دو لائق شاگرد جناب خالد مسعود اور جناب محبوب سبحانی صاحبان نے کی ہے اور مؤلف نے بذات خود مسودہ دیکھ کر ضروری حذف و اضافہ کے بعد اسے شائع کرنے کی اجازت دے دی ہے۔

توحید کا قرآنی تصور: الطاف احمد اعظمی،
ناشر: مجمع البحوث العلمیۃ الاسلامیہ ۸/۱ جوگابائی نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵، ۱۹۹۱ء صفحات ۲۲۴

یہ کتاب جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے، توحید کا قرآنی تصور واضح کرنے کے لیے لکھی گئی ہے۔ ابتداء میں ایک مبسوط مقدمہ ہے جس میں توحید کے لغوی معنی اور اس کی مختلف اقسام کی وضاحت کی گئی ہے اور اس باب میں پائے جانے والے غلط خیالات و نظریات کی طرف توجہ دلاتے ہوئے اصلاح احوال کی شدید ضرورت کا احساس دلایا گیا ہے۔ اس کے بعد قرآن مجید کی دو اہم اصطلاحات "الرب" کے لغوی و اصطلاحی مفہوم کو متعین کرکے قرآن کے تصور الوہیت و ربوبیت کی تشریح کی گئی ہے اور ساتھ ہی اس سلسلے میں علماء کے اختلافات کی اصل نوعیت اور اس باب میں پائی جانے والی فکری لغزشوں کی نشاندہی بھی کی گئی ہے، اسی ضمن میں محبت الٰہی کا صحیح قرآنی تصور بھی زیر بحث آیا ہے۔

توحید کی لغوی و معنوی اہمیت کے ساتھ ساتھ اس کے تکوینی و تشریعی تقاضے پھر ذیلی مباحث میں توکل علی اللہ اور وسیلہ کے مفہوم و مضمرات پر بحث کی گئی ہے آخر میں اقامت توحید کے عنوان سے اس کی دعوتی حیثیت اور اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔

قرآنیات پر نئے مضامین:

قرآن کا تصور جنگ۔ خالد مسعود۔ تدبر۔ سلسلہ نمبر ۳۵ و ۳۶، اپریل/اگست ۱۹۹۱ء، ص ۳۴۔ ۴۸، ۴۱۔ ۸۳۔

اہم فلسفیانہ مسائل کا قرآنی جائزہ۔ عبد الجبار شاکر۔ تدبر۔ سلسلہ نمبر ۳۴، نومبر ۱۹۹۱ء، ص ۴۱۔ ۴۴

قرآن و سنت کا باہمی ربط۔ عبد العزیز الخولی (مترجم محمد مشتاق تجاروی) تحقیقات اسلامی۔ ۲/۱۰، اپریل۔ جون ۱۹۹۱ء، ۱۰۱۔ ۱۱۴

مولانا عبد الماجد کی اردو انگریزی تفسیری خدمات۔ مظفر حسین غزالی۔ تحقیقات اسلامی۔ ۲/۱۰، اپریل۔ جون ۱۹۹۱ء، ۷۰۔ ۸۲

مولانا فراہی کا طریقۂ تفسیر۔ سید جلال الدین عمری۔ تحقیقات اسلامی۔ ۴/۱۰، اکتوبر۔ دسمبر ۱۹۹۱ء، ۱۸۔ ۴۲

برصغیر میں قرآن حکیم کا پہلا مکمل فارسی ترجمہ۔ وقار انصدی۔ معارف۔ مئی ۹۱ء۔ ۱۴۷/۵، ۳۴۴-۳۵۱

مولانا آزاد کی تفسیر قرآن کے امتیازات۔ ریاض الرحمان شیروانی۔ معارف۔ اپریل ۹۱ء۔ ۱۴۷/۴، ۲۴۵-۲۶۷

جمع و تدوین قرآن مجید اور مستشرقین (۲)۔ محمد عارف اعظمی۔ ترجمان القرآن۔ جنوری ۹۱ء۔ ۱۱۴/۵، ۱۴-۱۸

روزہ قرآن کے آئینہ میں۔ حسن رضا۔ ترجمان القرآن۔ مارچ ۹۱ء۔ ۱۳/۳، ص ۱۵-۱۷

دین کا قرآنی تصور۔ محمود حسن۔ زندگی۔ دسمبر ۹۱ء۔ ۱۴/۶، ۳۹-۴۹

جہنم کی آگ اور اہل ایمان (ایک تفسیری تحقیق) اخلاق حسین قاسمی۔ حکمت قرآن۔ اگست ۹۱ء ۱۰/۸، ۹-۱۵

قرآن اور جدید سائنس۔ پرویز ہاشمی۔ حکمتِ قرآن۔ اکتوبر، نومبر ۹۱ء۔ ۱۰/۱۰، ۵۵-۵۹، ۱۰/۱۱، ۲۳-۳۴

قرآن اور متجدد دین۔ بشیر احمد صدیقی۔ حکمتِ قرآن۔ مارچ ۹۱ء۔ ۱۰/۳، ۱۵-۲۱

قرآن کریم کا فلسفۂ انسانیت۔ رضی الاسلام ندوی۔ الرشاد۔ فروری، مارچ ۹۱ء۔ ۱۸/۳۲، ۲۱-۲۹، ۱۸/۳۳، ۴۵-۵۱

قرآن میں حروف مقطعات کا اردو ترجمہ۔ عبدالجبار و محمد حسین شرارہ۔ الرشاد۔ جنوری۔ مارچ، مئی۔ نومبر ۹۱ء۔ ۱۸/۳۱، ۹-۲۳، ۱۸/۳۲، ۱۰-۲۰، ۱۸/۳۴، ۷-۲۱، ۱۰، ۳۴، ۸-۱۷، ۱۸/۳۵، ۷-۱۳، ۱۸/۳۶، ۷-۱۸، ۱۸/۳۷، ۷-۱۳، ۱۸/۳۸، ۷-۱۵، ۱۸/۳۹، ۷-۱۲

مولانا فراہی کا طریقۂ تفسیر۔ نسیم ظہیر اصلاحی۔ اشراق۔ مئی ۹۱ء۔ ۳/۵، ۴۵-۵۸

دولت قرآن کی قدر و عظمت۔ صباء دانش۔ البلاغ۔ اگست ۹۱ء۔ ۲۶/۱، ۱۳-۲۲

حضرت شاہ ولی اللہ کا قرآن مجید کی تعلیم اور تفہیم میں حصہ۔ برہان الدین سنبھلی۔ دارالعلوم۔ مارچ ۹۱ء۔ ۷۵/۳، ۳۲-۴۰

قرآن مجید اور معاشی نظام۔ محمد ظفیر الدین مفتاحی۔ بحث و نظر اپریل۔ جون ۱۹۹۱ء، ۱۳/۴، ۸۷-۱۱۶

کیا قرآن حفظ کے لیے آسان کیا گیا۔ مجاہد الاسلام قاسمی۔ بحث و نظر۔ اکتوبر۔ دسمبر ۱۹۹۱ء۔ ۱۵/۴، ۳۹-۴۸

الاستشهاد بالشعر الجاهلي في تفسير القرآن العظيم۔ احسان الحق۔ البعث الاسلامی، ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ، اکتوبر و نومبر ۱۹۹۱ء، ۳۶/۸، ۳۹-۴۶

الفلسفة في القرآن الكريم۔ راشد عبداللہ الفرحان۔ البعث الاسلامی۔ جمادی الاولی ۱۴۱۲ھ نومبر۔ دسمبر ۱۹۹۱ء، ۳۶/۹، ۱۰-۱۵

منہج القرآن الکریم فی اثبات البعث بعد الموت۔ معتدی حسن بن یاسین الازہری۔ صوت الامة اگست ۱۹۹۱ء ۲۳/۸، ۱۹-۳۳

The Qur'an and Modern Science: Observations on Methodology, Imaduddin Khalil, The American Journal of Islamic Social Sciences 8/I, 1991, pp-1-13.

Morality in Quranic Social Laws. A.R. Kidwai, The Muslim World League Journal, 19/1-2, 1991 pp 34-36.

Ayat (signs): A study in Quranic Perspective, M Raziul Islam Nadvi, (Eng. Trans. M. Zaki Kirmani) Journal of Islamic Science, 7/2, 1991, pp 19-44.

The Problems of modern knowledge and the understanding of the Qur'an, Abu Bakr Sirajuddin, Hamdard Islamicus 13/3, 1990, pp.91- 94.

Verbal Idioms of the Qur'an (Mustansir Mir) S. Salman Nadvi (Review Article) The Muslim World Book Review, XI/3, 1991, pp 7-8.

The Impact of the Qur'an on the Development of Muslim Geographic Thought, Akhtar Husain Siddiqui, Islamic Studies, 30/4, 1991, pp 421-42.

خبرنامہ

ادارہ

ترجمان القرآن مولانا حمید الدین فراہی پر ایک بین الاقوامی سیمینار کا انعقاد:

ترجمہ و تفسیر، عربی و فارسی زبان و ادب، بلاغت و معانی، فلسفہ و علم کلام، تعلیم و تدریس اور تصنیف و تالیف کے میدان میں مولانا فراہی نے انتہائی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں لیکن ان کے انتقال کو ایک طویل عرصہ گذر جانے کے بعد بھی علمی حلقوں میں ان کا کما حقہ تعارف نہیں ہوسکا۔ اسی احساس کے پیشِ نظر انجمن طلبہ قدیم مدرسۃ الاصلاح (سرائے میر، اعظم گڑھ، یو۔پی) نے مولانا کی حیات و افکار پر ایک سیمینار کے انعقاد کا فیصلہ کیا۔ اسی کے مطابق ایک سہ روزہ علامہ فراہی سیمینار مدرسۃ الاصلاح (سرائے میر) میں ۸۔۱۰ اکتوبر ۱۹۹۲ء کو منعقد ہوا۔ سیمینار شرکاء و حاضرین کی کثرت، مقالات کی تعداد، بحث و مباحثہ کے آزادانہ و خوشگوار ماحول اور حسن انتظام ہر جہت سے نہایت کامیاب رہا۔ اسے بجا طور پر ایک تاریخی سیمینار کہا جاسکتا ہے۔ اس سیمینار کے انعقاد اور اس کو بحسن و خوبی انجام تک پہونچانے میں مولانا اشفاق احمد اصلاحی صاحب (سکریٹری جنرل انجمن طلبہ قدیم، مدرسۃ الاصلاح) مولانا احتشام الدین اصلاحی صاحب (کنوینر سیمینار) اور پروفیسر عبید اللہ فراہی صاحب (خانوادہ فراہی کے ایک ممتاز رکن اور انجمن طلبہ قدیم کے ایک سرگرم کارکن) نے بہت اہم اور نمایاں رول ادا کیا۔ اسی کے ساتھ مدرسہ کے طلبہ و اساتذہ، ارکان و ہمدردانِ مدرسہ، شائقین علوم قرآنیہ، وابستگان مکتب فراہی جامعہ ملیہ اسلامیہ کی اصلاحی برادری، متعلقین ادارہ علوم القرآن اور مقالہ نگاران و سامعین کا بھرپور تعاون بھی اس کی نمایاں کامیابی کے لیے بہترین مددگار ثابت ہوا۔ اس سیمینار کی کامیابی کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ مختلف جرائد و رسائل میں اس سے متعلق اب تک بیس سے زائد رپورٹیں شائع ہوچکی ہیں ان میں سے کچھ تفصیلی و وضاحتی ہیں اور بعض تجزیاتی و تنقیدی۔

یہاں اس سیمینار کی مفصل رپورٹ پیش کرنے کے بجائے اس کے مختلف اجلاسوں کے پروگرام کی تفصیلات اور مقالہ نگار حضرات کے اسمائے گرامی اور ان کے مقالوں کے عناوین کی صراحت پر اکتفا کیا جارہا ہے۔ (مدیر معاون)

یہ سہ روزہ سیمینار ایک افتتاحی اجلاس، ایک عوامی سیشن ایک تقریب تقسیم انعامات اور پانچ مقالات نشستوں پر مشتمل تھا جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

افتتاحی اجلاس: ۸ر اکتوبر ۱۹۹۱ء ۹½ بجے ۔ ۱۲½ بجے

۱۔ تلاوت قرآن مجید	حافظ محمد مرتضیٰ
۲۔ خطبہ استقبالیہ	ڈاکٹر اشتیاق احمد ظلی
۳۔ افتتاحی کلمات	مولانا سید ابوالحسن علی الحسنی الندوی مدظلہ
۴۔ مولانا فراہی کا سوانحی خاکہ	ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی
۵۔ پیغام مولانا امین احسن اصلاحی	پیش کردہ جناب سلطان احمد
۶۔ صدارتی کلمات	مولانا نجم الدین اصلاحی
۷۔ ہدیۂ تشکر	مولانا احمد محمود اصلاحی

عوامی سیشن (خطاب عام): ۸ر اکتوبر ۱۹۹۱ء بعد نماز مغرب تا عشاء

زیر نظامت مولانا احمد محمود اصلاحی نائب ناظم مدرسۃ الاصلاح

مقررین کرام:

مولانا نظام الدین اصلاحی	صدر مدرس جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، اعظم گڑھ
مولانا سید جلال الدین انصر عمری	سکریٹری ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، علی گڑھ
مولانا محمد طاہر مدنی	استاد جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، اعظم گڑھ

تقریب تقسیم انعامات: (بسلسلہ مقابلہ مضمون نگاری و معلومات عامہ منعقدہ زیر اہتمام انجمن طلبۂ قدیم مدرسۃ الاصلاح علی گڑھ شاخ)

۹ر اکتوبر ۱۹۹۱ء ۳ بجے ۔ ۴ بجے سہ پہر

نظامت — ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی صدر انجمن طلبہ قدیم علی گڑھ شاخ

صدارت — مولانا عبدالحسیب اصلاحی، استاد جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، اعظم گڑھ

مہمان خصوصی — حکیم مختار احمد اصلاحی، اصلاحی دواخانہ بمبئی

رپورٹ انجمن و شکریہ — محمد صادق اصلاحی، سکریٹری انجمن طلبہ علی گڑھ شاخ

مقالات اجلاس : زیر نظامت ڈاکٹر اشتیاق احمد ظلی

(سیمینار کے لیے ۴۵ مقالات موصول ہوئے تھے۔ موضوع کے اعتبار سے انھیں پانچ حصوں میں تقسیم کیا گیا اور اسی کے مطابق ان کے پانچ اجلاس مقرر کیے گئے۔ ذیل کی فہرست میں تین طرح کے مقالے شامل ہیں اوّل وہ جو پیش کیے گئے دوم وہ جو وقت کی کمی کی وجہ سے پیش نہیں کیے جا سکے اور سوم وہ جن کے لکھنے والے شریک سیمینار نہ ہو سکے۔ ان تینوں قسموں میں امتیاز کے لیے ذیل کی فہرست میں ان کے لیے الگ الگ نشانات (قسم اول ● قسم دوم ✻ قسم سوم ×) استعمال کیے گئے ہیں)

مقالات کی یہ فہرست سیمینار کے جاری کردہ پروگرام کے مطابق ہے اگرچہ مقالات کے پیش کرنے میں یہ ترتیب پوری طرح ملحوظ نہ رہ سکی جیسا کہ اکثر سیمیناروں میں یہ صورت پیش آتی ہے۔

پہلا اجلاس: ۸ راکتوبر ۱۹۹۱ء ۲ ½ بجے سے ۴ بجے تک (سہ پہر)

زیر صدارت پروفیسر محمد راشد ندوی

● ۱۔ مولانا فراہی کے اساتذہ — ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی، اسلام آباد، پاکستان

● ۲۔ علامہ تقی الدین ہلالی اور مولانا فراہی — مولانا ابوسحبان ندوی، استاذ ادب دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

✻ ۳۔ علامہ فراہی کا مقام، مولانا مناظر احسن گیلانی کے نزدیک: مولانا محمد یحییٰ ندوی مونگیر

● ۴۔ مولانا فراہی مکاتیب شبلی کی روشنی میں — ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی، لکچرر شعبۂ عربی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

✻ ۵۔ مولانا فراہی اور علی گڑھ — ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی، لکچرر شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

✻ ۶۔ استاد امام حمید الدین فراہی — مولانا نجم الدین اصلاحی، سکرور، اعظم گڑھ

دوسرا اجلاس: ۹ر اکتوبر ۱۹۹۱ء ۸ بجے صبح سے ۱۲ بجے دوپہر تک

زیر صدارت : مولانا ضیاء الدین اصلاحی

× ۱۔ حکمت کا مفہوم امام فراہیؒ کے نزدیک — جناب خالد مسعود، ادارہ تدبر قرآن و حدیث لاہور، پاکستان

• ۲۔ سیرت النبی شبلی میں فکر فراہیؒ — ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی، ریڈر ڈپارٹمنٹ آف اسلامک اسٹڈیز، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

• ۳۔ قرآنی فکر فراہی تعمیرات شبلیؒ میں — پروفیسر مسعود الرحمٰن خاں ندوی، ڈائرکٹر مرکز درسات ایشیا غربی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

• ۴۔ حکومت الٰہیہ اور مولانا فراہی "فی ملکوت اللہ" کی روشنی میں :۔ مولانا نظام الدین اصلاحی، صدر مدرس جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، اعظم گڑھ

• ۵۔ اسلام کا نظریۂ حاکمیت و خلافت اور مولانا فراہیؒ ۔ جناب عبید اللہ فہد فلاحی، ریسرچ اسکالر شعبۂ سیاسیات، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

• ۶۔ معجزہ کے سلسلہ میں شاہ ولی اللہؒ اور مولانا فراہیؒ کے رجحانات کا مطالعہ :۔ مولانا مسعود عالم قاسمی، ناظم دینیات، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

• ۷۔ مولانا فراہیؒ کا ادبی فکر "جمہرۃ البلاغۃ" اور "اسالیب القرآن" کی روشنی میں :۔ مولانا نعیم الدین اصلاحی، استاذ جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، اعظم گڑھ

• ۸۔ مولانا فراہیؒ کا اقتصادی مسلک — ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی، ریڈر شعبۂ معاشیات، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

تیسرا اجلاس :۔ ۹ر اکتوبر ۱۹۹۱ء ۶ بجے سے ۹ بجے تک (رات)

زیر صدارت : ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی

• ۱۔ رسائل ابن تیمیہؒ پر مولانا فراہیؒ کے حواشی — مولانا ضیاء الدین اصلاحی، ناظم دار المصنفین، اعظم گڑھ

× ۲۔ علامہ حمید الدین فراہیؒ کا منہج تفسیر — مولانا شمس تبریز خاں، لکچرر شعبۂ عربی، لکھنؤ یونیورسٹی۔

• ۳۔ قرآن کا شانِ نزول امام فراہیؒ کا نقطۂ نظر — جناب وصی اقبال، محمد سیف الدین خاں، رامپور۔

۴۔ انجیل کے بارے میں امام فراہیؒ کا نقطۂ نظر — ڈاکٹر الطاف احمد اعظمی، ریڈر جامعہ ہمدرد، نئی دہلی

۵۔ مولانا فراہیؒ کے تفسیری اصول:۔ — مولانا اشہد رفیق ندوی، شعبۂ عربی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

۶۔ قرآن فہمی میں عربی ادب کے مطالعہ کی اہمیت — مولانا محمد حنیف ملی۔ مالیگاؤں، مہاراشٹر

۷۔ امام فراہی اور علم تفسیر، پانچ امتیازی خصوصیات — مولانا عنایت اللہ سبحانی، استاذ جامعۃ الفلاح، بلریاگنج، اعظم گڑھ

۸۔ مولانا فراہی اور علم تفسیر — مولانا سید جلال الدین عمری، سکریٹری ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڑھ

۹۔ نظریۂ نظم قرآن اور مولانا فراہی — مولانا محمد عارف اصلاحی، رفیق دارالمصنفین، اعظم گڑھ

چوتھا اجلاس:۔ ۱۰ اکتوبر ۱۹۹۱ء ۸ بجے سے ۱۰½ تک (صبح)

زیر صدارت: مولانا سید جلال الدین انصر عمری

۱۔ حدیث و سنت کی تحقیق کا فراہی منہاج — جناب خالد مسعود، ادارہ تدبر قرآن و حدیث، لاہور، پاکستان

۲۔ ترجمان القرآن مولانا فراہیؒ کا مسلک حدیث — مولانا سلطان احمد اصلاحی، ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، علی گڑھ

۳۔ مولانا فراہیؒ اور تفسیری روایات — ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی، اجمل خاں طبیہ کالج، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

۴۔ تفسیر بالرای اور تفسیر بالماثور کے بارے میں امام فراہی کا نقطۂ نظر:۔ مولانا نسیم ظہیر اصلاحی، استاد مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ

۵۔ مولانا فراہیؒ اور علم حدیث — ڈاکٹر الطاف احمد اعظمی، ریڈر جامعہ ہمدرد، نئی دہلی

پانچواں اجلاس:۔ ۱۰ اکتوبر ۱۹۹۱ء ۱۱ بجے سے ۱ بجے تک (دوپہر)

زیر صدارت: مولانا نظام الدین اصلاحی

● ۱۔ مکانۃ الفراھی بین المفسرین — پروفیسر معین الدین اعظمی
سنٹرل انسٹی ٹیوٹ آف انگلش اینڈ فارن لینگویجز، حیدرآباد

× ۲۔ مولانا فراہیؒ کی غیر مطبوعہ تصانیف ایک تعارف — ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی
استاذ مدینہ یونیورسٹی، مدینہ منورہ

● ۳۔ امام فراہیؒ کی تفسیر سورہ اخلاص چند دیگر تفاسیر و تراجم کے تقابل میں:
ڈاکٹر غیاث الدین ندوی، لکچرر طبیہ کالج، لکھنؤ

● ۴۔ مولانا فراہیؒ کا تنقیدی نظریہ — پروفیسر محمد راشد ندوی،
شعبۂ عربی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

※ ۵۔ مفردات القرآن۔ ایک تعارفی مطالعہ — مولانا آفتاب عالم ندوی، استاذ ندوۃ العلماء، لکھنؤ

※ ۶۔ مولانا فراہیؒ اور علم نحو: — مولانا محمد ایوب اصلاحی، استاذ جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، اعظم گڑھ

× ۷۔ مولانا فراہیؒ کی فارسی شاعری — پروفیسر نذیر احمد، سابق صدر شعبۂ فارسی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

● ۸۔ مولانا فراہیؒ کا نظریۂ شعر و ادب — ڈاکٹر سید عبدالباری شبنم سبحانی،
صدر شعبۂ اردو، اودھ یونیورسٹی، فیض آباد، یوپی

● ۹۔ الاستاذ الامام الفراھی من خلال کتبہ فی القواعد:۔
ڈاکٹر شمیم الحسن، جواہر لال نہرو یونیورسٹی، دہلی

● ۱۰۔ حساس نگاہی اور مولانا فراہیؒ — مولانا محمد فاروق خاں، انچارج شعبۂ ہندی، جماعت اسلامی ہند، دہلی

※ ۱۱۔ مولانا فراہیؒ کی فارسی شاعری — مولانا مطیع الرحمٰن ندوی، استاذ ندوۃ العلماء، لکھنؤ

● ۱۲۔ المعلم الفراھی کشاعر عربی — ڈاکٹر محمد اسلم اصلاحی، ریڈر شعبۂ عربی، کشمیر یونیورسٹی، سرینگر

※ ۱۳۔ الامام المفسر الملہم۔ عبدالحمید الفراھی — جناب محی الدین غازی، طالب علم جامعۃ الفلاح۔ بلریا گنج

× ۱۴۔ مولانا فراہی کی فارسی شاعری — پروفیسر شعیب اعظمی، صدر شعبۂ فارسی، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی

● ۱۵۔ مولانا فراہی کا نظریہ تعلیم — جناب مظفر حسین غزالی، ریسرچ اسکالر، شعبۂ اردو،
جواہر لال نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی

※ ۱۶۔ الامعان فی اقسام القرآن کا جائزہ — ڈاکٹر فخر الاسلام اعظمی، لکچرر شبلی نیشنل کالج، اعظم گڑھ

× ۱۷۔ مسئلہ حسن وقبح اور علامہ فراہی — جناب اسرار احمد، ہفتہ وار ریڈینس، دہلی

مقالات اجلاس کے اختتام پر مولانا امانت اللہ اصلاحی صاحب نے جو اس اجلاس میں شرکت کے لیے نائیجیریا سے تشریف لائے تھے، مولانا فراہی کی شخصیت کے اہم پہلوؤں پر مختصر مگر جامع انداز میں روشنی ڈالی اور مولانا فراہی کے حامیوں و ناقدوں دونوں کو مفید مشوروں سے بہرہ ور کیا۔ آخر میں مولانا اشفاق احمد اصلاحی صاحب نے سیمینار کے سیاق میں انجمن طلبہ قدیم کی کارکردگی کو مختصراً واضح کیا اور سیمینار کے بحسن وخوبی انجام کو پہنچنے پر بارگاہ رب العزت میں حمد وشکر کا نذرانہ پیش کیا اور شرکا ود حاضرین، طلبہ واساتذہ وارکان مدرسہ، سیمینار انتظامیہ، غیر تدریسی عملہ اور ان تمام حضرات کا شکریہ ادا کیا جنھوں نے سیمینار کو کامیاب بنانے کے لیے اپنی اپنی سطح پر فراخ دلانہ تعاون کا مظاہرہ کیا۔



اعلان ملکیت ششماہی علوم القرآن

مقام اشاعت	:	سرسید نگر، علی گڑھ
نوعیت اشاعت	:	ششماہی۔
پرنٹر پبلشر	:	سلطان احمد اصلاحی
قومیت	:	ہندوستانی
پتہ	:	ادارہ علوم القرآن، سرسید نگر، علی گڑھ
ایڈیٹر	:	اشتیاق احمد ظلی
قومیت	:	ہندوستانی
پتہ	:	شعبۂ تاریخ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
ملکیت	:	ادارہ علوم القرآن، پوسٹ بکس نمبر ۹۹، سرسید نگر، علی گڑھ

میں اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا اطلاعات میرے یقین کی حد تک صحیح ہیں۔

سلطان احمد اصلاحی

اشاریہ مضامین ششماہی علوم القرآن

جلد ۵ (دو شمارے) جنوری ۱۹۹۰ء۔ دسمبر ۱۹۹۰ء

جلد ۶ (ایک شمارہ) جنوری ۱۹۹۱ء۔ دسمبر ۱۹۹۱ء

ازواجِ مطہرات کی تفسیری روایات - ایک تجزیاتی مطالعہ	محمد یسین مظہر صدیقی	۶	۱-۲	۱۹-۴۸
سفیان بن عیینہ اور ان کی تفسیری خدمات	اشہد رفیق ندوی	۵	۱	۹۷-۱۰۷
مولانا حمید الدین فراہی کے غیر مطبوعہ قرآنی حواشی	سلطان احمد اصلاحی	۵	۱	۵۰-۶۹
تصانیف فراہی کا غیر مطبوعہ سرمایہ	محمد اجمل اصلاحی	۵	۲	۸۱-۱۲۰
تفسیر نظام القرآن کا ایک مطالعہ	عبید اللہ فہد فلاحی	۶	۱-۲	۹۸-۱۰۷
تدبر قرآن - ایک مطالعہ	فخر الاسلام اعظمی	۵	۱	۸۱-۹۶
ترجمان القرآن مولانا فراہی کی فکری اور اصلاحی تحریک	اشتیاق احمد ظلی	۶	۱-۲	۸۳-۹۶
کتابیاتِ فراہی	ظفر الاسلام اصلاحی	۵	۱	۱۴۰-۱۴۴
کتابیاتِ فراہی	ظفر الاسلام اصلاحی	۵	۲	۱۲۱-۱۳۸
مصری جامعات میں قرآنیات پر تحقیقی مقالے (۱۹۲۲-۱۹۷۴ء)	محمد اجمل اصلاحی	۵	۱	۱۲۷-۱۳۲
سعودی عرب میں قرآنیات پر شائع شدہ کتب (۱۴۰۰-۱۴۰۹ھ)	محمد خیر یوسف (ترجمہ: ظفر الاسلام اصلاحی)	۶	۱-۲	۱۴۲-۱۴۷

(تعارف و تبصرہ)

احسن البیان فی علوم القرآن (ڈاکٹر حسن الدین احمد)	اشہد رفیق ندوی	۵	۲	۱۳۹-۱۴۲
فی ملکوت اللہ (مولانا حمید الدین فراہی)	صدر الدین اصلاحی	۵	۱	۱۲۵-۱۲۹
المنہل (جدہ) - قرآن نمبر	ابو سفیان اصلاحی	۶	۱-۲	۱۴۸-۱۵۸

regard to the west and western philosophy and culture, Maulana Farahi has adopted a refreshingly free and courageous outlook and presents the teachings of the Holy Qur'an and Sunnah in a completely undiluted form. As a case in point may be cited his researches about *jihad, khilafat* and moarchy which are no less than revolutionary. In this way Maulana Farahi prepared the necessary ground for launching of an intellectual and reformative movement and produced necessary conditions for it.

Maulana Farahi and Some basic issues of the Quranic economy:

Dr Abdul Azim Islahi.

Maulana Farahi has strongly disapproved both the capitalist and socialist systems. Though he was not an economist, nor did he write on economic problems, the opinions expressed by him on some basic issues of the two systems show his deep analytical insight in these matters. He condemned all kinds of interest and rightly inferred from the Qur'an, that the commercial interest was common in the *jahiliyah*, and that it was this kind of interest which was mainly prohibited by the Qur'an. He also criticised the socialist system in the light of the teachings of the Qur'an and predicted its inevitable fall. He opposed the materialistic interpretation of history. He held that according to the Quranic view of history, the rise and fall of nations was very closely connected with their ethical and spiritual conditions. He advocated a value-based economic system which was to be guided by the teachings of the Qur'an and Sunnah. The Quranic economic system abolishes interest and promotes charity. In this system the real owner is Allah and the property is a trust in the hand of man. Wealth is for his trial and for fulfilling certain obligations. Instead of unnatural and forced equality, cooperation and provision of equal opportunity for all should be the proper course of action.

A Bibliography of the Quranic Publications in the Kingdom of Saudi Arabia, A.H. 1400-1409:

Mohammad Khair Yusuf translated by Dr Zafarul Islam Islahi.

This bibliography was published in the well-known Saudi Journal "Alam al Kutub", Riyadh, in January 1991 issue. It covers books relating to the various aspects of the Qur'an and Quranic Sciences published in the Kingdom of Saudi Arabia during the period A.H. 1400-1409. This includes the books originally published in the Kingdom, books reprinted there as also the books distributed from there.

enumerates the demands the Holy Qur'an makes from the Muslims, correct method of benefiting from it and the requirements of the Muslim society in the light of the Holy Qur'an.

Intellectual and Reformative Movement of Maulana Farahi:

Dr Ishtiyaq Ahmad Zilli.

Maulana Hamiduddin Farahi was a rare genius who combined in himself the best elements of both traditional and modern learning. Traditional sciences he learnt at the feet of great masters like Shibli. Modern philosophy and English language he mastered at M.A.O. College, Aligarh. It was at Aligarh that he also learnt Hebrew language during a subsequent stay. But nothing could match his interest in and devotion to the Holy Book. His deep attachment to the Holy Qur'an and his long ponderings into its mysteries enabled him to discover and reconstruct the basic principles which he considered to be the key to the proper understanding of the Holy Qur'an. Corner stone of the new methodology was his concept of *Nazm-i Qur'an* (coherence of the Qur'an). He believed that without the light of Nazm, it was not possible to delve in the world of the Quranic mysteries. In the light of his understanding of the Qur'an and an analytical study of the history of Islam, he conceived a comprehensive movement for the intellectual and moral rejuvenation of the Muslims. Basically this movement consisted of three main segments:

1) Writing a *tafsir* of the Holy Book in the light of the principles reconstructed by him as the real cause of the malaise afflicting the Muslim society was ignorance and lack of proper understanding of the basic teachings of the Qur'an.

2) Purification of Islamic sciences from non-Islamic elements and its reconstruction on strictly Islamic lines, now popularly known as the Islamization of knowledge.

3) Reforming the curriculum of the Islamic system of education in such a way that the Qur'an occupied the centre stage and all other sciences revolved around it.

In all these fields he rendered great services and provided not only the basis guidelines but left much valuable literature and hence prepared the necessary ground for the future developments.

A study of the *Tafsir-i Nizam al Qur'an:*

Dr. Ubaidullah Fahad Falahi

Dr Ubaidullah Fahd Falahi seeks to study some of the more salient features of *Nizam al Qur'an*, a collection of exegetical works of Maulana Farahi translated into Urdu by Maulana Amin Ahsan Islahi. He particularly draws attention to the fact that in complete contrast to the defensive and apologetic attitude of Muslim intelligentia at that time in

ABSTRACTS

The Meaning of Khatm-i Qulub (Sealing of Hearts):

Maulana Amin Ahsan Islahi

This excerpt is taken from Maulana Islahi's well-known Urdu Tafsir *Tadabbur i Qur'an*. It seeks to explain the nature and meaning of the Quranic concept of sealing of the hearts. It does not mean that some people are born with their hearts sealed and thereby rendered incapable to receive the truth. In reality, it means that their misdeeds and rejection of the truth virtually seals their hearts and thereby renders them incapable of listening to the truth and following it. Their refusal to accept the truth is, therefore, not a consequence of Allah's having sealed their hearts but a result of their disobedience and misdeeds.

Exegetical Traditions of the Holy Wives of the Prophet (SAW): An Analytical Study:

Dr Muhammad Yasin Mazhar Siddiqi

This is the second and concluding part of a detailed and analytical study of exegetical Traditions transmitted by the Holy Wives of the Prophet (SAW). First part had brought the study upto *Surah al Nur* and the remaining discussion has been covered by this second part. This study makes it clear that bulk of the traditions in this category are transmitted by Hazrat Aisha. Hazrat Umme Salma comes as a distant second. The only other Ummul Muminin from whom some exegetical traditions are transmitted is Hazrat Hafsa. From other Mothers of the believers no such tradition has come down. A perusal of these traditions makes it fully clear that inspite of their small numbers, these are very important from the point of view of content and the themes covered by them as they shed light on some issues of fundamental importance. *Shan-i Nuzul*, differences of *Qiraat' fazail-i Qur'an* and usages of the Prophet (SAW) regarding *tilawat* (recitation of the Qur'an) are some of the themes covered under this category of the traditions.

Holy Qur'an: The Source of True Guidance:

Maulana Muhammad Saud Alam Qasmi.

This article brings out the fact that the Qur'an is the only source of true guidance for the mankind and points out the proper methodology for its study. The Holy Qura'n is not only continuation of the revelation but also its culmination and its final shape, and, therefore it is obligatory to believe in it as also in the earlier revealed books. It also deals with the history of revelation and identifies its various stages. Different categories of those who believe in it and its distinctive features as compared to other revealed books and varying levels of its understanding have also come under discussion. At the end it

CONTRIBUTORS TO THIS ISSUE

Dr Ishtiyaq Ahmad Zilli
President, Idarah Ulum al Qur'an & Reader, Department of History, A.M.U., Aligarh.

Maulana Amin Ahsan Islahi
Renowned Islamic Thinker and author of "Tadabbur-i Qur'an"

Dr Muhammad Yasin Mazhar Siddiqi
Reader, Department of Islamic Studies, A.M.U., Aligarh.

Maulana Muhammad Saud Alam Qasimi
Nazim-i Diniyat-i Sunni, A.M.U., Aligarh

Dr. Ubaidullah Fahd Falahi
Department of Political Science, A.M.U., Aligarh.

Dr. Abdul Azim Islahi
Reader, Department of Economics, A.M.U., Aligarh.

Dr Zafarul Islam Islahi
Secretary, Idarah Ulum al Qur'an & Lecturer, Department of Islamic Studies, A.M.U., Aligarh.

Dr. Abu Sufyan Islahi
Lecturer, Department of Arabic, A.M.U., Aligarh.

Bi-annual 'Uloom-al-Quran ' Aligarh
Vol. 6 Jan-Dec. 1991 Nos. 1-2

CONTENTS